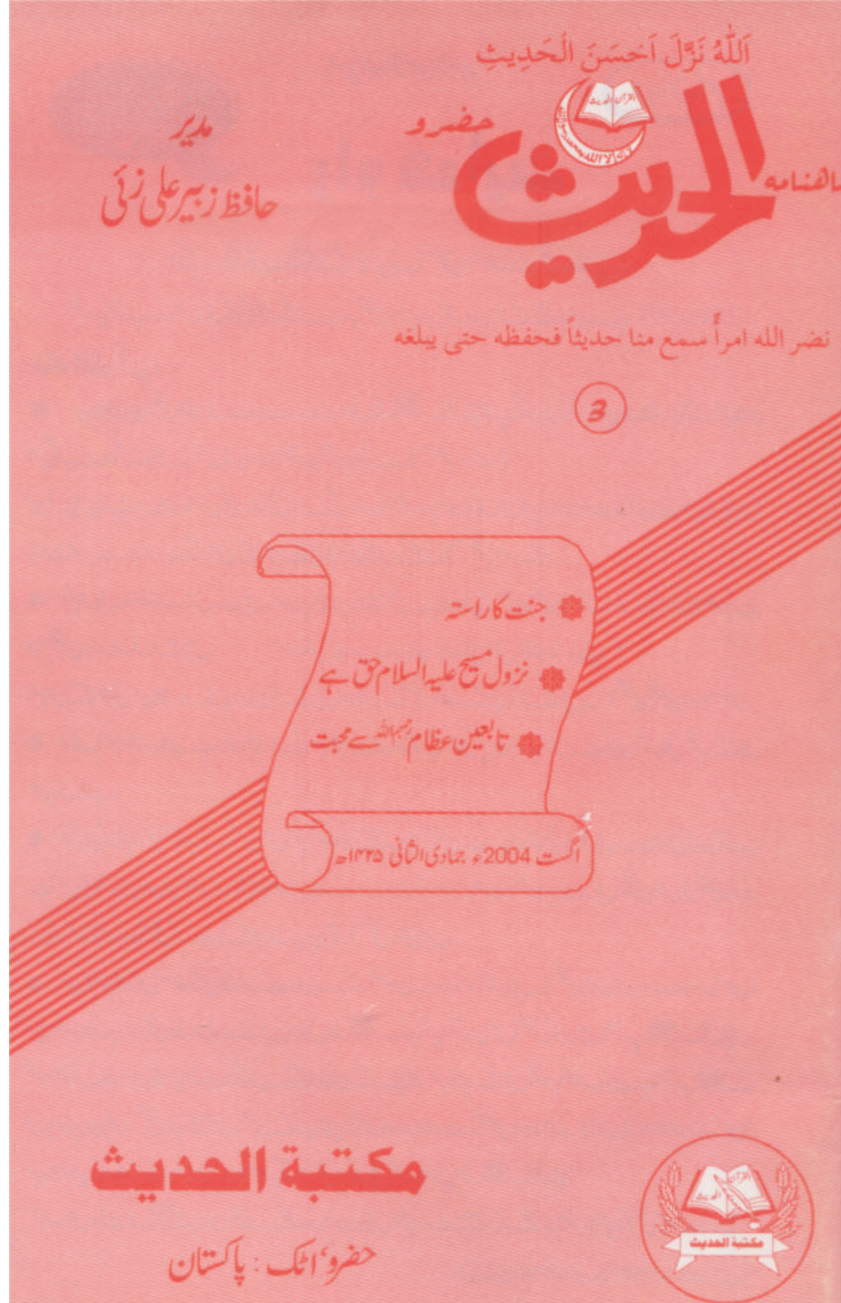


MAKTABA TUL HADITH HAZRO

By Alhadith at 5:03:38 AM, 2/9/2015



Official Website of Alshaikh Hafiz Zubair Alizai (MABPWH) is
www.ishaatulhadith.com
<http://www.facebook.com/maktabahtulhadith>
maktabahtulhadith@gmail.com

احسن الحديث

ضیاء الحق عاصم

راہ ہدایت

اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

الم، یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ متقین (پرہیزگاروں) کے لئے ہدایت ہے (البقرہ: ۲۱)

فقہ القرآن :

- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ البقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم: ۷۸۰)
- نیز فرمایا: یہ اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گی، سورۃ البقرہ پڑھو کیونکہ اس کا پڑھنا باعث برکت اور اس کا چھوڑنا باعث حسرت ہے اور جادوگر اس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (مسلم: ۷۰۳)
- الم حروف مقطعات میں سے ہیں، ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا معنی و مفہوم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے امام ثعلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فنحن نؤمن بتنزيلها ونكل الى الله تأويلها“
- ہم ان کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے معنی کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ (تفسیر ثعلبی: ۱۳۶/۱)
- ذلک اسم اشارہ بعید ہے، جو مشارالیه کی علو منزلت اور ارتقاء شان پر دلالت کتاں ہے، جیسا کہ اہل علم کے ہاں معروف ہے۔

- قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جس کی سنہری وابدی تعلیمات تمام انسانیت کے لئے بینارہ نور اور باعث رشد و ہدایت ہیں، لیکن اس کی تعلیمات سے مکافقہ فائدہ حاصل کرنے والے صرف پرہیزگار (متقی) ہی ہیں۔

- سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: متقین سے مراد مؤمنین ہیں۔ (تفسیر ابن جریر: ۷/۱۷۱ وسندہ حسن)
- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا، لوگوں میں افضل کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر مخموم القلب اور زبان کا سچا انسان، لوگوں نے کہا: زبان کے سچے کو تو ہم پہچانتے ہیں، مخموم القلب کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ پرہیزگار (متقی) پاک دامن جس کے دل میں نہ گناہ ہو، نہ بغاوت، نہ بغض ہو، نہ حسد۔ (ابن ماجہ: ۴۲۱۶ وسندہ حسن)
- سیدنا عطیہ سعدی سے روایت ہے جو صحابہ کرام میں سے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بندہ اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ ضرر رساں اشیاء سے بچنے کے لئے بے ضرر اشیاء کو بھی چھوڑ نہ دے“

(ترمذی: ۲۴۵۱، ابن ماجہ: ۴۲۱۵ واسنادہ حسن)

فقہ الحدیث

۱۔ ورواہ ابو ہریرۃ مع اختلاف ، وفيہ : ”وإذا رأيت الحفافة العراة الصم البكم ملوك الأرض في خمس لا يعلمهن إلا الله - ثم قرأ : ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ (الاية لقمان : ۳۴) سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے (یہی روایت) مع اختلاف مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: اور جب تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، گونگے بہرے چرواہے زمین کے بادشاہ بن جائیں گے (یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے) پانچ (نشانیوں) کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، پھر انہوں نے قرأت کی ﴿بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے﴾ متفق علیہ (بخاری: ۵۰، مسلم: ۹، مصابیح السنۃ: ۱)

فقہ الحدیث :

۱: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی پوری حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے: وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے پوچھو، صحابہ نے سوال کرنے سے خوف محسوس کیا تو ایک آدمی آیا اور (آ کر) آپ کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر کہا: اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کے ساتھ کچھ (بھی) شرک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو (یہ اسلام ہے) اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (ایمان یہ ہے) کہ تم، اس (اللہ) کے فرشتوں، کتابوں، ملاقات (آخرت) اور رسولوں پر ایمان لاؤ، مرنے کے بعد (دوبارہ) زندگی کا یقین کرو اور ساری تقدیر کو مانو (کہ خیر اور شر اللہ ہی طرف سے ہے) اس نے کہا: آپ نے سچ کہا، اے اللہ کے رسول! احسان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ سے اس طرح ڈرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھتے (یعنی یہ درجہ حاصل نہ ہو سکے تو کم از کم یہ یقین کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، اس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔ اے اللہ کے رسول، قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تمہیں اس کی نشانیاں بتاتا ہوں، جب تم دیکھو کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، گونگے بہرے، چرواہے زمین کے بادشاہ بن رہے ہیں تو یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ یہ (قیامت) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور (تمام) ارحام میں کیا ہے وہی جانتا ہے۔ کسی انسان کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی جان دار کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں فوت ہوگا۔ پھر وہ آدمی کھڑا ہو گیا (اور چلا گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے واپس بلاؤ، اسے تلاش کیا گیا (لیکن) وہ نہ ملا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام ہیں، یہ اس لئے تشریف لائے تھے کہ تمہیں (دین) سکھائیں کیونکہ تم خود سوال نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۲: قیامت کا علم اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

۳: تقدیر اور قیامت کی زیادت مقبول اور حجت ہوتی ہے۔

۴: قرآن وحدیث میں قیامت کی جتنی نشانیاں مذکور ہیں ان کے وقوع کے بعد ہی قیامت آئے گی۔

۵: تقدیر پر ایمان لانا فرض اور رکن ایمان ہے، جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں وہ اہل بدعت و گمراہ ہیں۔

۶: حدیث قرآن کی شرح ہے۔ وغیر ذلك من الفوائد۔

(۱) وعن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ: بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا

إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة والحج وصوم

رمضان۔

عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ (ارکان) پر ہے، گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الہ (معبود برحق) نہیں ہے، اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

متفق علیہ (بخاری: ۸، مسلم: ۱۶، مصابیح السنۃ: ۲)

فقہ الحديث :

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان اصلاً ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

۲: تارک الصلوٰۃ کی تکفیر میں سلف صالحین میں اختلاف ہے، جمہور اس کی تکفیر کے قائل ہیں، نصوص شرعیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے صحیح تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مطلقاً نماز ترک کر دے، بالکل نہ پڑھے وہ کافر ہے، اور جو شخص کبھی پڑھے اور کبھی نہ پڑھے تو ایسا شخص کافر نہیں ہے مگر سخت مجرم اور فاسق ہے، اس کا فعل کفریہ ہے، خلیفۃ المسلمین اس پر تعزیر نافذ کر سکتا ہے اس پر اجماع ہے کہ نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور حج کا انکار کرنے والا کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔

وقت کا تقاضا

امت مسلمہ جن مسائل سے دوچار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں، مخصوص مفکرین، سکالرز اور دانشور حضرات ان مسائل کی گتھی سلجھانے کی سعی لا حاصل میں مصروف ہیں، لیکن ابھی تک ان حضرات کے لئے ”صحیح سمت کا تعین“ ہی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ چاول کاشت کر کے اگر کوئی یہ توقع رکھتا ہے کہ یہاں گندم کا کھیت لہلہائے گا تو اسے کوئی بھی سلیم الطبع اور عقل مند شخص تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔ لیکن ہماری اجتماعی حالت یہ رہی ہے بلکہ اب تو عادت بن چکی ہے کہ بیج کانٹوں کا بوتے ہیں اور انتظار پھولوں کے کھلنے کا کرتے ہیں، سامان گلشن کی بربادی کا کرتے ہیں اور منتظر نظارہ بہار ہوتے ہیں حاصل یہ ہے کہ ہمارے ماضی قریب کی تاریخ، خود فریبیوں، خوش فہمیوں، جھوٹی امیدوں، مایوسیوں اور حسرتوں کی روداد مکرر بن کر رہ گئی ہے۔ اور یہ سب اپنوں اور بیگانوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے، بالخصوص ہمارے زعماء جو قرآن و حدیث کو نظر انداز کر کے مغرب سے براہ راست وحی کے منتظر رہتے ہیں، سنن کے احیاء کے بجائے شرک و بدعت، کفر و الحاد اور تقلیدی خرافات کا اجراء کر رہے ہیں۔ فحاشی و بے حیائی کی روک تھام تو درکنار اس کے برعکس (فحاشی و بے حیائی سے لبریز) میوزیکل شو (Musical Show) میں مہمان خصوصی کی کرسی پر براجمان ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں، مظلوم سے ہمدردی کے دو بول؟..... ظالم کے ساتھ کھڑا ہونے میں اعزاز سمجھتے ہیں، ایسے میں وقت کا تقاضا ہے کہ ہمارے امراء اور عوام سلف صالحین کے دور حکومت کو ذہن نشین کریں۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو ارشاد فرمایا:

”لوگو! مجھے تمہارا حکمران مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین نہیں ہوں اگر میں حق پر ہوں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر باطل پر پاؤ تو مجھے سیدھا کرو، یاد رکھو تم میں سے زیادہ کمزور میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک میں اسے اس کا حق دلا نہ دوں، اور تم میں سے قوی میرے نزدیک ضعیف ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کر لوں ان شاء اللہ، (آپ لوگ) جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کرنا کیونکہ جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور فحاشی و بے حیائی سے احتراز کرنا، کیونکہ بے حیاء قوم کو اللہ تعالیٰ مختلف آزمائشوں (فتنوں) میں مبتلا کر دیتا ہے، جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں تو میری اطاعت کرو، جب میں اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں ہے۔“ (سیرۃ ابن ہشام: ۳۱۱/۳۲ و سندہ حسن)

ایسے اوصاف کے حامل حکمران ہی امت مسلمہ کو درپیش مسائل سے نجات دلا سکتے ہیں۔ و ما علینا الا البلاغ

بسم الله الرحمن الرحيم

حافظ زبیر علی زئی

طریق الجنة

جنت کا راستہ

کافی عرصہ پہلے استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ”جنت کا راستہ“ نامی ایک کتاب لکھی تھی، اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں آیات قرآنیہ، صحیح اور حسن لہذا حدیث اور اجماع سے استدلال کیا گیا ہے، کسی ضعیف یا حسن لغیرہ حدیث سے اصول بلکہ ثواب میں بھی جنت نہیں پکڑی گئی غرضیکہ اس کتاب میں ہر وہ حدیث جسے بطور استدلال پیش کیا گیا ہے، بالکل صحیح اور جنت ہے، اسی لئے عوام و خواص کے استفادہ کے لئے مکمل کتاب مع اضافہ فوائد ”ماہنامہ الحدیث“ میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (حافظ ندیم ظہیر)

(۱) ہمارا عقیدہ: ہم اس بات کی دل، زبان اور عمل سے گواہی دیتے ہیں کہ لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ اللّٰهُ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ اللہ ہی حاکم اعلیٰ، قانون ساز، حاجت روا، مشکل کشا اور فریادرس ہے۔ ہم اس کی ساری صفات کو بلا کیف بلا تمثیل اور بلا تعطیل مانتے ہیں۔ وہ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ کما یلیق بشأنہ، اس کا علم اور قدرت کائنات کی ہر چیز کو محیط ہے۔ اور ہم اس بات کی دل، زبان اور عمل سے گواہی دیتے ہیں کہ محمد رسول اللہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ خاتم النبیین، امام کائنات، افضل البشر، ہادی برحق اور واجب الاتباع ہیں۔ آپ کی نبوت، امامت اور رسالت قیامت تک ہے۔ آپ کا قول، عمل اور اقرار سب حجت برحق ہے۔ آپ کی سچی پیروی میں دونوں جہانوں کی کامیابی کا یقین ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں دونوں جہانوں کی ناکامی اور تباہی کا یقین ہے۔ اَعَاذُنا اللّٰهُ مِنْہ

ہم قرآن اور صحیح حدیث کو حجت اور معیار حق مانتے ہیں۔ چونکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ امت مسلمہ گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو سکتی الخ مثلاً دیکھئے المستدرک (۱/۱۱۶ ج ۳۹۹ عن ابن عباس) لہذا ہم اجماع امت کو بھی حجت مانتے ہیں۔ یاد رہے کہ صحیح حدیث کے خلاف اجماع ہوتا ہی نہیں۔ ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو عدول اور اپنا محبوب مانتے ہیں۔ تمام صحابہ کو حزب اللہ اور اولیاء اللہ سمجھتے ہیں، ان کے ساتھ محبت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔ ہم تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مسلمین مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو حنیفہ، امام بخاری امام مسلم، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ وغیرہم رحمہم اللہ سے محبت اور پیار کرتے ہیں۔ اور جو شخص ان سے بغض رکھے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔

توحید، رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تقدیر پر ہمارا کامل ایمان ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل کی نبوتوں اور رسالتوں کا اقرار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید مخلوق نہیں ہے۔ ہم ایمان میں کمی و بیشی کے بھی قائل ہیں، یعنی ہمارے نزدیک ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ اہل سنت کے جو عقائد ہمارے علماء سلف نے بیان کئے ہیں، ہمارا ان پر ایمان اور یقین ہے۔ مثلاً امام ابن خزمیرہ، امام عثمان بن سعید الدارمی، امام بیہقی، امام ابن ابی عاصم، امام ابن مندہ، امام ابو اسامعیل الصابونی، امام عبد الغنی المقدسی، امام ابن قدامہ، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام آجری اور امام لا کائی وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین۔

(۲) ہمارا اصول: حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا دار و مدار محدثین کرام پر ہے۔ جس حدیث کی صحت یا راوی کی توثیق پر محدثین کا اتفاق ہے، تو وہ حدیث یقیناً و حتماً صحیح ہے اور راوی بھی یقیناً و حتماً ثقہ ہے۔ اور اسی طرح جس حدیث کی تضعیف یا راوی کی جرح پر محدثین کا اتفاق ہے، تو وہ حدیث یقیناً و حتماً مجروح ہے۔ جس حدیث کی تصحیح و تضعیف اور راوی کی توثیق و تجرح میں محدثین کا اختلاف ہو (اور تطبیق و توفیق ممکن نہ ہو) تو ہمیشہ ہر حال میں ثقہ ماہر اہل فن مستند محدثین کی اکثریت کی تحقیق اور گواہی کو صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مختصر کتاب میں بعض اختلافی مسائل کے بارے میں صحیح تحقیق پیش خدمت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مسلم و مومن زندہ رکھے اور اسلام و ایمان پر ہی موت دے۔ آمین

(۳) اہل الحديث کی فضیلت: یہ بالکل درست ہے کہ قرآن کریم نے امت محمدیہ کو مسلم کا لقب دیا ہے لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کی ایک خاص جماعت جس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی و عملی شغف رہا، وہ جماعت اپنے آپ کو لقب اہل حدیث سے ملقب کرتی رہی ہے (خاتمہ اختلاف: ص ۱۰۷، ۱۰۸) مسلمانوں کے لیے اہل سنت اور اہل حدیث وغیرہ، القاب بے شمار ائمہ مسلمین مثلاً محمد بن سیرین، ابن المدینی بخاری، احمد بن سنان، ابن المبارک، ترمذی وغیرہم سے ثابت ہیں اور کسی ایک مستند امام یا عالم سے اس کا انکار مروی نہیں ہے۔ لہذا ان القاب کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔ تمام مستند علماء نے طائفہ منصورہ والی حدیث کا مصداق اہل الحديث واصحاب الحديث کو قرار دیا ہے۔ (دیکھئے سنن ترمذی: ج ۴ ص ۵۰۵ طبع بیروت ج ۲۲۹) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

” لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة “

میری امت کا ایک طائفہ (گروہ) ہمیشہ، قیامت تک، حق پر قتال کرتا رہے گا (اور) غالب رہے گا۔

(مسألة الاحتجاج بالشافعي للخطيب، ص ۳۴، وسندہ حسن ولہ شاهد صحیح فی صحیح مسلم: ۱۹۲۳)

اس حدیث کے بارے میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
 ”یعنی اہل الحدیث“ یعنی اس سے مراد اہل الحدیث ہیں۔ (مسألة الاحتجاج بالشافعي ص ۳۵، وسندہ صحیح)
 یہ دونوں اصحاب الحدیث اور اہل الحدیث نام ایک ہی جماعت کے صفاتی نام ہیں۔
 امام احمد بن سنان الواسطی (متوفی ۲۵۹ھ) فرماتے ہیں:

”ليس في الدنيا مبتدع إلا وهو يبغيض أهل الحديث ، وإذا ابتدع الرجل نزع حلاوة الحديث من قلبه“

دنیا میں جو بھی بدعتی ہے وہ اہل حدیث سے بغض رکھتا ہے۔ اور آدمی جب بدعتی ہو جاتا ہے تو حدیث کی مٹھاس اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ (معرفة علوم الحديث للحاكم: ج ۲، واسنادہ صحیح)
 اہل الحدیث والآثار کے فضائل کے لیے خطیب بغدادی کی شرف اصحاب الحدیث، ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ اور عبدالحئی لکھنوی کی امام الکلام (ص ۲۱۶) وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

(۴) محدثین کا مسلک: کسی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے پوچھا کہ کیا بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد الطیالسی، الدارمی، البزار، الدارقطنی، البیہقی، ابن خزیمہ اور ابویعلیٰ موصلی رحمہم اللہ مجتہدین میں سے تھے یا کسی امام کے مقلد تھے؟ تو انہوں نے ”الحمد للہ رب العالمین“ کہتے ہوئے جواب دیا:

”أما البخاري و أبو داود فإما مان في الفقه من أهل الإجتهد وأما مسلم والترمذي والنسائي و ابن ماجه وابن خزيمة وأبو يعلى و البزار فهم على مذهب أهل الحديث ليسوا مقلدين لواحد بعينه من العلماء۔۔۔ وهؤلاء كلهم يعظمون السنة والحديث إلخ“
 امام بخاری اور امام ابوداؤد، دونوں فقہ میں مجتہد (مطلق) ہیں۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن خزیمہ، امام ابویعلیٰ، اور امام بزار اہل الحدیث کے مذہب پر تھے۔ کسی ایک عالم کے (بھی) مقلد نہیں تھے اور یہ سب سنت وحدیث کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ الخ (مجموع فتاویٰ: ج ۲۰ ص ۴۰)
 امام بیہقی نے تقلید کے خلاف اپنی مشہور کتاب السنن الکبریٰ میں باب باندھا ہے۔ (ج ۱۰ ص ۱۱۳) لہذا محدثین کو خواہ مخواہ دروغ گوئی کرتے ہوئے اور اپنے نمبر بڑھانے کے لیے مقلدین میں شمار کرنا غلط ہے۔ یاد رہے کہ اہل الحدیث سے مراد محدثین بھی ہیں اور ان کے پیروکار بھی۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۲ ص ۹۵) اہل حدیث کا یہ بہت بڑا شرف ہے کہ ان کا امام (اعظم صرف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (تفسیر ابن کثیر: ج ۳ ص ۵۲، بنی اسرائیل: ۷۱) نیز دیکھئے (تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۳۷۸، آل عمران: ۸۱، ۸۲)

(۵) صحیحین کا مقام: اس پر امت کا اجماع ہے کہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث صحیح اور قطعی الصحت ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۴۱، اختصار علوم الحدیث لابن کثیر: ص ۳۵) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں۔ کہ ان کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔“ (حجۃ اللہ البالغہ: ص ۲۴۲ مترجم عبدالحق حقانی)

(۶) تقلید: جو شخص نبی نہیں ہے اس کی بات کو بغیر دلیل کے ماننے کو تقلید کہتے ہیں۔ دیکھئے (مسلم الثبوت: ص ۲۸۹) اس تعریف پر امت مسلمہ کا اجماع ہے (الاحکام لابن حزم: ص ۸۳۶) لغت کی کتاب ”القاموس الوجید“ میں تقلید کا درج ذیل مفہوم لکھا ہوا ہے: ”بے سوچے سمجھے یا بے دلیل پیروی، نقل، سپردگی“ ”بلا دلیل پیروی، آنکھ بند کر کے کسی کے پیچھے چلنا، کسی کی نقل اتارنا جیسے ”قلد القرد الانسان“ (ص ۱۳۴۶) نیز دیکھئے المعجم الوسیط (ص ۷۵۴)

جناب مفتی احمد یار نعیمی بدایونی بریلوی نے غزالی سے نقل کیا ہے کہ:

”التقلید هو قبول قول بلا حجة“ (جاء الحق ج ۵ ص ۱۵ طبع قدیم)

اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب سے پوچھا گیا کہ: ”تقلید کی حقیقت کیا ہے اور تقلید کس کو کہتے ہیں؟“ تو انہوں نے فرمایا: ”تقلید کہتے ہیں امتی کا قول ماننا بلا دلیل“ عرض کیا گیا کہ کیا اللہ اور رسول ﷺ کے قول کو ماننا بھی تقلید کہلائے گا؟ فرمایا: ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ماننا تقلید نہ کہلائے گا وہ اتباع کہلاتا ہے“ (الافاضات الیومیہ ملفوظات حکیم الامت ۱۵۹۳/۳ ملفوظ ۲۲۸) یاد رہے اصول فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ: قرآن ماننا، رسول ﷺ کی حدیث ماننا، اجماع ماننا، گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا، عوام کا علماء کی طرف رجوع کرنا (اور مسئلہ پوچھ کر عمل کرنا) تقلید نہیں ہے۔ (دیکھئے مسلم الثبوت: ص ۲۸۹ و التقریر والتجیر: ص ۴۵۳)

محمد عبید اللہ الاسعدی دیوبندی تقلید کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ”کسی کی بات کو بلا دلیل مان لینا تقلید کی اصل حقیقت یہی ہے لیکن.....“ (اصول الفقہ ص ۲۶۷) اصل حقیقت کو چھوڑ کر نام نہاد دیوبندی فقہاء کی تحریفات کون سنتا ہے!

احمد یار نعیمی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اس تعریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے: دلیل شرعی کو نہ دیکھنا، لہذا ہم حضور ﷺ کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد، اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عاملوں کی

بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا.... (جاء الحق ج ۱ ص ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی پیروی سے منع کیا ہے جس کا علم نہ ہو (سورہ بنی اسرائیل: ۳۶) یعنی بغیر دلیل والی بات کی پیروی ممنوع ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بذات خود دلیل ہے اور اجماع کے حجت ہونے پر دلیل قائم ہے۔ لہذا قرآن، حدیث اور اجماع کو ماننا تقلید نہیں ہے۔ دیکھئے (التحریر لا بن ہمام: ج ۴ ص ۲۴۲، ۲۴۱ فواتح الرحموت: ج ۲ ص ۴۰۰) اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی شخص کی بھی تقلید کرنا شرک فی الرسالت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دین میں رائے کے ساتھ فتویٰ دینے کی مذمت فرمائی ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۰۸۶/۲: ۷۳۰ ج ۷) عمر رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے کو سنت نبوی ﷺ کا دشمن قرار دیا ہے (اعلام الموقعین: ج ۱ ص ۵۵)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ان آثار کی سند بہت زیادہ صحیح ہے۔ (ایضاً)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”أما زلة عالم فان اهتدى فلا تقلدوه دينكم“

اور رہی عالم کی غلطی، اگر وہ ہدایت پر (بھی) ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔

(کتاب الزہد للامام وکیع ج ۱ ص ۳۰۰ ج ۱ وسندہ حسن، کتاب الزہد لابن داود ص ۷۷ ج ۱۹۳ وحلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۹۷ جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ج ۲ ص ۱۳۶ والا احکام لابن حزم ج ۶ ص ۲۳۶ وصحیح ابن القیم فی اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۳۹) اس روایت کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا:

”والموقوف هو الصحيح“ اور (یہ) موقوف (روایت) ہی صحیح ہے (العلل الواردة ج ۶ ص ۸۱ سوال ۹۹۲)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی تقلید سے منع کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ: ۱۰/۲ وسندہ صحیح) ائمہ اربعہ (امام مالک، امام

ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) نے بھی اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۲ ص ۱۰۲)

۲۱۱، اعلام الموقعین: ج ۲ ص ۱۹۰، ۲۰۰، ۲۰۷، ۲۱۱، ۲۲۸) کسی امام سے بھی یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہے کہ اس نے کہا ہو:

”میری تقلید کرو“ اس کے برعکس یہ بات ثابت ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوئی ہے۔

(اعلام الموقعین: ج ۲ ص ۲۰۸) اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تقلید جہالت کا دوسرا نام ہے اور مقلد جاہل ہوتا ہے۔

(جامع بیان العلم: ج ۲ ص ۱۱۷، اعلام الموقعین: ج ۲ ص ۱۸۸، ج ۷ ص ۷) ائمہ مسلمین نے تقلید کے رد میں کتابیں لکھی

ہیں مثلاً امام ابو محمد القاسم بن محمد القرطبی (متوفی ۲۷۱ھ) کی کتاب ”الإيضاح في الرد على المقلدين“ (سیر اعلام

النبلہ ج ۱۳ ص ۳۲۹) جبکہ کسی ایک مستند امام سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ اس نے تقلید کے وجوب یا جواز پر کوئی

کتاب یا تحریر لکھی ہو۔ مقلدین حضرات ایک دوسرے سے خونریز جنگیں لڑتے رہے ہیں (معجم البلدان: ج ۱ ص

۲۰۹، ج ۳ ص ۱۱۷، الکامل لابن الاثیر: ج ۸ ص ۳۰۷، ۳۰۸، وفيات الاعيان: ج ۳ ص ۲۰۸) ایک دوسرے کی تکفیر

کرتے رہے ہیں (میزان الاعتدال: ج ۴ ص ۵۲، الفوائد البیہ ص ۱۵۲، ۱۵۳)۔ انہوں نے بیت اللہ میں چار مصلے قائم

کر کے امت مسلمہ کو چار ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ چار اذانیں چار قامتیں اور چار امامتیں!! چونکہ ہر مقلد اپنے زعم باطل میں اپنے امام و پیشوا سے بندھا ہوا ہے، اس لئے تقلید کی وجہ سے امت مسلمہ میں کبھی اتفاق و امن نہیں ہو سکتا۔ لہذا آئیے ہم سب مل کر کتاب و سنت کا دامن تھام لیں۔ کتاب و سنت میں ہی دونوں جہانوں کی کامیابی کا پورا پورا یقین ہے۔

(۷) نماز: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

"لما بعث النبي صلى الله عليه وسلم معاذ بن جبل نحو أهل اليمن قال له: إنك تقدم

على قوم من أهل الكتاب فليكن أول ما تدعوهم إلى أن يوحّدوا الله فإذا عرفوا ذلك

فأخبرهم أن الله فرض عليهم خمس صلوات في يومهم وليلتهم فإذا صلّوا۔۔ الخ

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں کہا: تم اہل کتاب قوم کے پاس جا رہے ہو۔ پس انہیں سب سے پہلے توحید کی دعوت دینا، جب وہ توحید (لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ) پہچان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن، رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو۔۔ الخ

(صحیح بخاری: ۱۹۶۱/۱، ۱۴۵۸، ۱۰۹۶/۲، ۷۳۲، واللفظ لہ، صحیح مسلم: ۶۱/۱، ۱۹)

فرض اور تطوع (غیر فرض) نماز کی تعداد، رکعات اور تمام تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے اور اپنی امت کو حکم دیا کہ:

"صلّوا كما رأيتموني أصلي" نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا ہے

(صحیح بخاری: ۸۸۱/۱، ۶۳۱، ۸۸۸/۲، ۶۰۰۸، ۷۶۲، ۱۰۷۳۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیکھا۔ انہوں نے اس طریقہ مبارک کو احادیث کی شکل میں آگے پہنچایا۔ لہذا ثابت ہوا کہ امت مسلمہ نے نماز کا طریقہ احادیث سے سیکھا ہے۔ امت میں سے جس شخص یا گروہ کا طریقہ نماز ان احادیث کے خلاف ہے، مثلاً مالکیوں کا ارسال یدین وغیرہ تو انہیں چاہیے کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اپنی نمازوں کی اصلاح کر لیں۔

(۸) اوقات نماز: حدیث جبریل علیہ السلام (فی اوقات الصلوٰۃ) میں ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کو زوال کے بعد ظہر پڑھائی پھر ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھائی..... الخ اور دوسرے دن ایک مثل پر ظہر اور دو مثل پر عصر کی

نماز پڑھائی۔ مغرب گذشتہ (کل) کی طرح غروب آفتاب کے بعد پڑھائی الخ۔ اور فرمایا: ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!“

آپ سے پہلے انبیاء (علیہم السلام) کا یہ وقت ہے اور نماز کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔“ اسے ترمذی (۱۴۹)

وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن ص ۱۲۲، ۱۹۳، اوقال: اسنادہ حسن) اس قسم کی احادیث

جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی اچھی سندوں کے ساتھ مروی ہیں۔ نیوی حنفی فرماتے ہیں: ”مجھے کوئی حدیث صریح صحیح یا ضعیف نہیں ملی جو اس پر دلالت کرے کہ ظہر کا وقت سایہ کے دو مثل ہونے تک ہے۔“ (آثار السنن ص ۱۶۸ ج ۱۹۹ مترجم اُردو) یاد رہے کہ بعض دیوبندیہ و بریلویہ اس سلسلہ میں مبہم اور غیر واضح شبہات پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اصول فقہ میں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ منطوق، مفہوم پر مقدم ہوتا ہے۔

دیکھئے فتح الباری۔ (ج ۲ ص ۲۴۲، ۲۹۷، ۳۳۰، ج ۴ ص ۳۸۲، ۳۸۶، ج ۹ ص ۳۶۹، ج ۱۲ ص ۲۰۳)

(۹) نیت کا مسئلہ : اس میں شک نہیں کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۰۲/۱ ج ۱ ص ۲۸۹ صحیح مسلم: ۱۴۰۶، ۱۴۱، ۱۵۵/۱ ج ۱ ص ۱۹۰) لیکن نیت دل کے ارادے اور مقصد کو کہتے ہیں، قصد و ارادہ کا مقام دل ہے زبان نہیں (الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ ج ۱ ص ۱) زبان کے ساتھ نیت کرنا نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے اور نہ کسی تابعی سے اس (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۰۱) تفصیل کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین، حدیث: ۱

(۱۰) جُرا بوں پر مسح: امام ابوداؤد السجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومسح علی الجوربین علی بن اُبی طالب و أبو مسعود و البراء بن عازب و أنس بن

مالک و أبو أمامة و سهل بن سعد و عمرو بن حریث ، وروی ذلك عن عمر بن

الخطاب و ابن عباس“

اور علی بن ابی طالب، ابومسعود (ابن مسعود) اور براء بن عازب، انس بن مالک، ابوامامہ، سہل بن سعد اور عمرو بن حریث نے جرابوں پر مسح کیا اور عمر بن خطاب اور ابن عباس سے بھی جرابوں پر مسح مروی ہے (رضی اللہ عنہم اجمعین) (سنن ابی داؤد: ۲۴۱/۱ ج ۱ ص ۱۵۹)

صحابہ کرام کے یہ آثار مصنف ابن ابی شیبہ (۱۸۸، ۱۸۹) مصنف عبدالرزاق (۱۹۹، ۲۰۰) محلی ابن حزم (۸۴۲) الکنی للددلانی (ج ۱ ص ۱۸۱) وغیرہ میں باسند موجود ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر الاوسط لابن المنذر (ج ۱ ص ۴۲۲) میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

”ولأن الصحابة رضي الله عنهم مسحوا على الجوارب ولم يظهر لهم مخالف في

عصرهم فكان اجماعاً“

اور چونکہ صحابہ نے جرابوں پر مسح کیا ہے اور ان کے زمانے میں ان کا کوئی مخالف ظاہر نہ ہوا۔ لہذا اس پر اجماع ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا صحیح ہے۔ (المغنی: ۱۸۱/۱ مسئلہ ۴۲۶)

صحابہ کے اس اجماع کی تائید میں مرفوع روایات بھی موجود ہیں۔ مثلاً دیکھئے (المستدرک: ج ۱ ص ۱۶۹ ج ۲ ص ۶۰۲)

نخیں پر مسح متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ جرائیں بھی نخیں کی ایک قسم ہیں جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی اور نافع وغیرہم سے مروی ہے۔ جو لوگ جرابوں پر مسح کے منکر ہیں، ان کے پاس قرآن، حدیث اور اجماع سے ایک بھی صریح دلیل نہیں ہے۔

امام ابن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

”حدثنا محمد بن عبد الوهاب: ثنا جعفر بن عون: ثنا يزيد بن مردانبة: ثنا الوليد بن

سريع عن عمرو بن حريث قال: رأيت علياً بال ثم توضأ ومسح على الجوربين“

مفہوم:

۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الاوسط ج ۱ ص ۴۶۲) اس کی سند صحیح ہے۔

۲: ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا، دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۱۸۸ ح ۱۹۷) وسندہ حسن

۳: براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا، دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۱۸۹ ح ۱۹۸) وسندہ صحیح

۴: عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا، دیکھئے ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۱۸۹ ح ۱۹۸) اور اس کی سند صحیح ہے۔

۵: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا، دیکھئے ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۱۸۹ ح ۱۹۹) وسندہ حسن

ابن منذر نے کہا کہ: امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ: ”صحابہ کا اس مسئلے پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (الاوسط لابن

المنذر ج ۱ ص ۴۶۲، ۴۶۵) تقریباً یہی بات ابن حزم نے کہی ہے (المحلی ۸۶۲، مسئلہ نمبر ۲۱۲) ابن قدامہ نے کہا: اس پر

صحابہ کا اجماع ہے (المغنی ج ۱ ص ۱۸۱، مسئلہ ۴۲۶)

معلوم ہوا کہ جرابوں پر مسح کے جائز ہونے کے بارے میں صحابہ کا اجماع ہے رضی اللہ عنہم اجمعین، اور اجماع

شرعی حجت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اللہ میری امت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا“ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۱۶ ح

۳۹۷، ۳۹۸) نیز دیکھئے ”ابراء اهل الحديث والقرآن ممانی الشواهد من التهمة والبهتان“ ص ۳۲، تصنیف حافظ عبد اللہ

محدث غازی پوری (متوفی ۱۳۳۷ھ) تلمیذ سیدنا زبیر حسین محدث الدہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ

مزید معلومات:

۱: ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۸۸ ح ۱۹۷) اس کی سند صحیح ہے۔

۲: سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے جرابوں پر مسح کیا۔ (ایضاً ج ۱ ص ۱۸۹ ح ۱۹۸) اس کی سند صحیح ہے۔

۳: عطاء بن ابی رباح جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔ (المحلی ۸۶۲)

معلوم ہوا کہ تابعین کا بھی جرابوں پر مسح کے جواز پر اجماع ہے۔ والحمد للہ

۱: قاضی ابویوسف جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔ (الہدایہ ج ۱ ص ۶۱)

۲: محمد بن الحسن الشیبانی بھی جرابوں پر مسح کا قائل تھا۔ (ایضاً ۶۱/۱ باب المسح علی الخفین)

۳: امام ابوحنیفہ پہلے جرابوں پر مسح کے قائل نہیں تھے لیکن بعد میں انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔

”وعنه أنه رجع إلى قولهما وعليه الفتوى“

اور امام صاحب سے مروی ہے کہ: انہوں نے صاحبین کے قول پر رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (الحدیث: ج ۱ ص ۶۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سفيان الثوري، ابن المبارك، شافعي، احمد اور اسحاق (بن راهويه) جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔ (بشرطیکہ وہ مولیٰ ہوں)

دیکھئے سنن الترمذی حدیث: ۹۹

جورب: سوت یا اون کے موزوں کو کہتے ہیں، (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۴، تصنیف محمد تقی عثمانی دیوبندی) نیز دیکھئے

البنایہ فی شرح الہدایہ للنعیمی (ج ۱ ص ۵۹)

تنبیہ: بعض لوگ ”جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے!“ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فتوے سے ثابت کرنے کی

کوشش کرتے ہیں حالانکہ خود سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”باقی رہا صحابہ کا عمل تو ان سے مسح جراب

ثابت ہے اور تیرہ صحابہ کرام کے نام صراحت سے معلوم ہیں کہ وہ جراب پر مسح کیا کرتے تھے“ (فتاویٰ نذیریہ: ج ۱ ص ۲۳۲)

لہذا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کا جرابوں پر مسح کے خلاف فتویٰ اجماع صحابہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۱۱) نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا: حلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”ورأيت: يضع هذه

على صدره“ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنا یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔ (مسند

احمد: ۲۲۶/۵ ج ۲۲۳۱۳) اس کی سند حسن ہے۔ صحیح بخاری (۱۰۲/۱ ج ۷ ص ۷۰) میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث کا

عموم بھی اس کا مؤید ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی ایک صحابی سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

مردوں کا ناف کے نیچے اور عورتوں کا سینہ پر ہاتھ باندھنا کسی صحیح تو درکنار ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے۔

(۱۲) فاتحہ خلف الامام: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " اس شخص کی نماز ہی نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

(صحیح بخاری: ۱۰۲/۱ ج ۷ ص ۷۰، صحیح مسلم: ۱۶۹/۱ ج ۱ ص ۳۴۳)

یہ حدیث متواتر ہے (جزء القراءة للبخاری: ج ۱۹) اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ

پڑھنے کے قائل و فاعل تھے۔ (کتاب القرأت للہبیتی: ص ۶۹ ج ۱۳۳، وسندہ صحیح نیز دیکھئے احسن الکلام: ۱۴۲/۲)

متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں

سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے، مثلاً مشہور تابعی نافع بن محمود الانصاری مشہور بدری صحابی عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا:

”فلا تقرأ ابشي من القرآن إذا جهرت إلا بأَم القرآن“

جب میں اونچی آواز سے قرآن پڑھ رہا ہوتا ہوں تو سوائے سورہ فاتحہ کے قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھو۔

(سنن ابی داؤد: ۱۲۶۱/۸۲۴، سنن نسائی: ۱۴۶۱/۹۲۱)

اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں: ”وہذا إسناد صحيح و رواه ثقات“ اور یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (کتاب القراءت: ص ۱۲۷ ج ۱۲) امام دارقطنی فرماتے ہیں:

”هذا إسناد حسن و رجاله ثقات كلهم“ یہ سند حسن ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ (سنن دارقطنی: ۳۲۰/۱) اس قسم کی دیگر احادیث کو میں نے اپنی کتاب ”الکواکب الدریۃ فی وجوب الفاتحة خلف الإمام فی الجہریۃ“ میں جمع کر دیا ہے۔

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل اور فاعل تھے۔ مثلاً ابو ہریرہ، ابوسعید الخدری، عبداللہ بن عباس، عبادہ بن الصامت، انس بن مالک، جابر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم۔ ان آثار صحابہ کو میں نے اپنی کتاب ”کاندھلوی صاحب اور فاتحہ خلف الامام“ (الکواکب الدریۃ) میں تفصیلاً جمع کر دیا ہے اور ان کا صحیح و حسن ہونا محدثین کرام سے ثابت کیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جہری اور سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹/۱۲۹ ج ۳۹۵، مسند حمیدی ج ۹۸۰ صحیح ابوعوانہ: ۱۲۸/۲) اور فرماتے ہیں کہ: ”جب امام سورہ فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو اور اسے اس سے پہلے تم کر دو“ (جزء القراءۃ للبخاری: ج ۲۳، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱

اسے امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح کہا، امام دارقطنی فرماتے ہیں: ”هذا إسناد صحيح“ یہ سند صحیح ہے۔ (سنن دارقطنی: ۱/۱۹۸ ح ۳۱۷) اس کے سارے راوی ثقہ و صدوق ہیں۔ قرآن و حدیث میں ایسی ایک دلیل بھی نہیں ہے، جس میں صاف اور صریح طور پر مقتدی کو فاتحہ خلف الامام سے منع کیا گیا ہو۔ تقلید یوں کے مستند عالم مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ:

”لم يرد في حديث مرفوع صحيح النهي عن قراءة الفاتحة خلف الإمام و كل ما ذكره

مرفوعاً فيه إما لا أصل له وإما لا يصح“

کسی مرفوع صحیح حدیث سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہے اور جو بھی (وہ) مرفوع احادیث ذکر کرتے ہیں یا تو وہ صحیح نہیں یا اس کی کوئی اصل ہی نہیں۔ (التعلیق المجید: ص ۱۰۱)

اور کسی صحابی سے بھی فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہے۔ امام ابن عبدالبر نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی اس کی نماز مکمل ہے اور اسے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ السبکی: ج ۱ ص ۱۳۸) امام ابن حبان نے بھی اسی اجماع کی گواہی دی ہے۔ (المجروحین: ج ۲ ص ۱۳)۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرام کی ایک جماعت سری اور جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کی قائل ہے۔ یہی قول عمر عثمان، علی، ابن عباس، معاذ اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے۔ (شرح السنہ: ۳/۸۴، ۸۵ ح ۶۰۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”والعمل على هذا الحديث في القراءة خلف الإمام عند أكثر أهل العلم من أصحاب

النبي ﷺ والتابعين وهو قول مالك بن أنس وابن المبارك والشافعي وأحمد و

إسحاق يرون القراءة خلف الإمام“

اس حدیث پر امام کے پیچھے قرأت کرنے میں اکثر صحابہ اور تابعین کا عمل ہے اور یہی قول امام مالک، امام ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اور امام اسحاق بن راہویہ کا ہے۔ یہ قرأت (فاتحہ) خلف الامام کے قائل ہیں۔ (جامع ترمذی: ۱/۷۰، ۷۱ ح ۳۱۱)

(۱۳) آمین بالجہر: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قرأ ﴿ولا الضالين﴾ قال: آمين ورفع بها صوته“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ﴿ولا الضالین﴾ پڑھتے، تو فرماتے: آمین اور اس کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد: ۱/۱۴۲ ح ۹۳۲)

ایک روایت میں ہے: ”فجہر بآمین“ پس آپ ﷺ نے آمین بالجبر کہی (ایضاً) حدیث (یرفع صوته بآمین) کے بارے میں امام دارقطنی نے کہا: ”صحیح“ (سنن دارقطنی: ۱/۳۳۳ ح ۱۲۵۳۱۵۴) ابن حجر نے کہا: وسندہ صحیح (الخصائص الحبر: ۲۳۶/۱: ۳۵۳) ابن حبان اور ابن قیم وغیرہما نے بھی صحیح کہا۔ کسی قابل اعتماد امام نے اسے ضعیف نہیں کہا ہے۔ اس مفہوم کی دیگر صحیح روایات سیدنا علی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما وغیرہما سے بھی مروی ہیں جنہیں راقم الحروف نے ”القول المتین فی الجہر بالتأمین“ میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

عطاء بن ابی رباح روایت کرتے ہیں کہ: ”أمن ابن الزبير ومن ورائه حتى إن للمسجد للجة“ ابن زبیر (رضی اللہ عنہما) اور ان کے مقتدیوں نے اتنی بلند آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔

(صحیح بخاری: ۱۰۷۷۱ ح قبل ۷۸۰ مصنف عبدالرزاق: ۲۶۲۰)

اس کی سند بالکل صحیح ہے (دیکھئے کتب رجال اور کتب اصول الحدیث) ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھی بھی امام کے پیچھے آمین کہتے اور اسے سنت قرار دیتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱/۲۸۷ ح ۵۷۲) کسی ایک صحابی سے بھی باسند صحیح (غنیہ) بالسرا آمین قطعاً ثابت نہیں ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی (آج کل) اپنے دین سے اکتا چکے ہیں اور وہ حاسد لوگ ہیں۔ وہ جن اعمال پر مسلمانوں سے حد کرتے ہیں ان میں سے افضل ترین یہ ہیں: سلام کا جواب دینا، صفوں کو قائم کرنا، اور مسلمانوں کا فرض نماز میں امام کے پیچھے آمین کہنا۔ (مجمع الزوائد: ج ۲ ص ۱۱۳ و قال: اسنادہ حسن، الاوسط للطبرانی: ۵/۳۷۳ ح ۴۹۰ والقول المتین: ص ۴۷، ۴۸)

(۱۴) رفع یدین: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرنا متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے، مثلاً ابن عمر (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۳۵۵ و صحیح مسلم: ج ۱ ص ۱۶۸ ح ۳۹۰) مالک بن الحویرث (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۳۷۷ و صحیح مسلم: ج ۱ ص ۱۶۸ ح ۳۹۱) وائل بن حجر (صحیح مسلم: ج ۱ ص ۱۷۳ ح ۴۰۱) ابوجہید الساعدی، ابوقنادہ، سہل بن سعد الساعدی، ابواسید، محمد بن مسلمہ (ابوداؤد: ۳۰، ۳۲، ۷، وھوحدیث صحیح) علی بن ابی طالب (صحیح ابن خزیمہ: ج ۱ ص ۵۸۴) ابوبکر الصدیق، عبداللہ بن الزبیر (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/۳۷۲ وسندہ صحیح) ابومویٰ الاشعری رضی اللہ عنہم اجمعین (سنن دارقطنی: ج ۱ ص ۲۹۲، وسندہ صحیح) وغیرہم۔ متعدد اماموں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ رفع یدین قبل الركوع وبعده متواتر ہے۔ مثلاً ابن جوزی، ابن حزم، العراقی، ابن تیمیہ، ابن قدامہ ابن حجر، الکتانی، السیوطی، الزبیدی اور زکریا الانصاری وغیرہم۔ دیکھئے (نور العینین فی مسئلہ رفع یدین: ص ۸۹، ۹۰) انور شاہ کاشمیری دیوبندی فرماتے ہیں:

”وليعلم أن الرفع متواتر إسناداً وعملاً لا يشك فيه ولم ينسخ ولا حرف منه“ الخ
اور یہ جاننا چاہیے کہ رفع یدین بلحاظ سند اور عمل دونوں طرح متواتر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور رفع یدین بالکل

منسوخ نہیں ہوا بلکہ اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوا۔ (نیل الفرقدین: ص ۲۴ فیض الباری: ج ۲ ص ۲۵۵ حاشیہ)
 ”وعن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلوة و إذا كبر للركوع و إذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك وقال:
 سمع الله لمن حمده، ربنا لك الحمد وكان لا يفعل ذلك في السجود“

سیدنا ابن عمر (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں کندھوں تک اٹھاتے۔ اسی طرح جب رکوع کی تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے اور سمع اللہ لمن حمده، ربنا لك الحمد کہتے اور سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۰۲۱/۷، صحیح مسلم: ۱۶۸۱/۷، ۳۹۰)

اس حدیث کے راوی ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے (صحیح بخاری: ۱۰۲۱/۷، ۷۳۹) بلکہ جسے دیکھتے کہ رفع یدین نہیں کرتا تو اسے کنکریوں سے مارتے تھے (جزء رفع الیدین للبخاری: ۵۳، صحیح النووی فی المجموع شرح المہذب: ج ۳ ص ۴۰۵) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کا ترک باسنہ صحیح قطعاً ثابت نہیں ہے، تارکین رفع یدین۔ ابوبکر بن عیاش کی عن حصین، عن مجاہد جو روایت پیش کرتے ہیں اس کے بارے میں محدثین کے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ”یوہم ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“ (جزء رفع الیدین للبخاری: ۱۶) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

”رواہ أبو بکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد عن ابن عمر وهو باطل“

یعنی: ابوبکر بن عیاش والی روایت باطل ہے۔ (مسائل احمد، روایۃ ابن ہانی: ج ۱ ص ۵۰)

ابو قلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ:

”أنه رأى مالك بن الحويرث إذا صلى كبر ورفع يديه وإذا أراد أن يركع رفع يديه

و إذا رفع رأسه من الركوع رفع يديه وحدث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

صنع هكذا“

سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۰۲۱/۷، ۷۳۷، صحیح مسلم: ۱۶۸۱/۷، ۳۹۱)

سیدنا مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ: نماز اس طرح پڑھو جیسے مجھے دیکھا ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری (ج ۱ ص ۶۳۱)۔ آپ جلسہ استراحت بھی کرتے تھے اور اسے مرفوعاً بیان کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۳۶)

۱۱۲ھ (۶۷۷ء، ۸۲۳ء)۔ یہ جلسہ خفیوں کے نزدیک آپ کی حالت کبر پر محمول ہے۔ یعنی جب آپ ﷺ آخری دور میں بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے تو یہ جلسہ کرتے تھے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۱۰، حاشیہ السندھی علی النسائی ج ۱ ص ۱۴۰) آپ رفع یدین کے راوی ہیں لہذا اثبات ہوا کہ خفیوں کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں بھی رفع یدین کرتے تھے۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”فلما أراد أن یرکع أخرج یدیه من الثوب ثم رفعهما ثم کبر فركع فلما قال: سمع الله

لمن حمده رفع یدیه“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رکوع کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے اور رفع یدین کیا پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا۔ جب سمع الله لمن حمده کہا تو رفع یدین کیا۔ الخ (صحیح مسلم: ۱۷۳/۱ ج ۱ ص ۲۰۱)

سیدنا وائل رضی اللہ عنہ یمن کے عظیم بادشاہ تھے (الثقات لابن حبان: ج ۳ ص ۲۲۲)۔ آپ نو (۹ھ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کی شکل میں تشریف لائے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱/۵، عمدة القاری للنعیمی: ۲/۵) آپ اگلے سال دس (۱۰ھ) کو بھی مدینہ منورہ آئے تھے (صحیح ابن حبان: ۱۶۷/۳، ۱۶۸ ج ۱ ص ۱۸۵) اس سال بھی آپ نے رفع یدین کا مشاہدہ کیا تھا (سنن ابی داؤد: ج ۲ ص ۷۲) لہذا آپ کی بیان کردہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور کی نماز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابی سے رفع یدین عندا رکوع وبعده کا ترک یا نسخ یا ممانعت قطعاً ثابت نہیں ہے۔

سنن ترمذی (ج ۱ ص ۵۹ ج ۲ ص ۲۵۷) میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت منسوب ہے، اس میں سفیان ثوری مدلس ہیں (الجوہر للقی لابن الترمذی الحنفی: ج ۸ ص ۲۶۲) مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۹۹ الکفایہ: ص ۳۶۲) دوسرا یہ کہ بیس سے زیادہ اماموں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، لہذا یہ سند ضعیف ہے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منسوب رولیت ترک میں یزید بن ابی زیاد الکوفی ضعیف ہے (تقریب التہذیب: ۷۷۱) مسند حمیدی اور مسند ابی عوانہ میں یار لوگوں نے تحریف کی ہے۔ اصلی قلمی نسخوں میں رفع یدین کا اثبات ہے، جسے بعض مفاد پرستوں نے تحریف کرتے ہوئے نفی بنا دیا ہے، جو تحقیق کرنا چاہے وہ ہمارے پاس آکر اصلی قلمی نسخوں کی فوٹو سٹیٹس دیکھ سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے ترک رفع یدین پر وہ روایات بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن میں رفع یدین کے کرنے یا نہ کرنے کا ذکر تک نہیں ہے، حالانکہ عدم ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔ (الدرایہ لابن حجر: ص ۲۲۵)

جو شخص نماز میں رفع یدین کرتا ہے اسے ہر انگلی کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔ یعنی ایک رفع یدین پر دس نیکیاں (المعجم الكبير للطبراني ج ۱ ص ۲۹۷، مجمع الزوائد: ج ۲ ص ۱۰۳) اوقال: (واسنادہ حسن)۔ عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد پر رفع یدین کرنا بالکل صحیح ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے ہر تکبیر کے ساتھ رفع

یدین کرتے تھے۔ (ابوداؤد: ج ۲۲، مسند احمد: ۲/۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، منشی ابن الجارود: ص ۶۹ ج ۱۷۸)۔
اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے، بعض لوگوں کا عصر حاضر میں اس حدیث پر جرح کرنا مردود ہے، امام بیہقی اور امام ابن المنذر نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ تکبیرات عیدین میں بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔ دیکھئے الخیصر (ج ۱ ص ۸۶ ج ۶۹۲) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۳) والاوسط لابن المنذر (۲۸۲، ۲۸۳)

عید الفطر والی تکبیرات کے بارے میں عطاء بن ابی رباح (تابعی) فرماتے ہیں کہ:
”نعم ویرفع الناس أیضاً“ جی ہاں ان تکبیرات میں رفع یدین کرنا چاہئے، اور (تمام) لوگوں کو بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۳/۲۹۶ ج ۵۶۹۹، وسندہ صحیح)

امام اہل الشام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”نعم ارفع یدیک مع کلہن“
جی ہاں، ان ساری تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرو۔ (احکام العیدین للفریابی: ج ۱ ص ۱۳۶، وسندہ صحیح)
امام دارالھجر مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا:

”نعم ، ارفع یدیک مع کل تکبیرۃ ولم أسمع فیہ شیئاً“
جی ہاں، ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرو اور میں نے اس (کے خلاف) کوئی چیز نہیں سنی۔ (احکام العیدین: ج ۱ ص ۱۳۷، وسندہ صحیح)
اس صحیح قول کے خلاف مالکیوں کی غیر مستند کتاب ”مدونہ“ میں ایک بے سند قول مذکور ہے (ج ۱ ص ۱۵۵) یہ بے سند حوالہ مردود ہے، ”مدونہ“ کے رد کے لئے دیکھئے میری کتاب القول الثمین فی الجہر باتائین (ص ۷۳)
اسی طرح امام نووی کا حوالہ بھی بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ (دیکھئے المجموع شرح المہذب: ج ۵ ص ۲۶)
امام اہل مکہ شافعی رحمہ اللہ بھی تکبیرات عیدین میں رفع یدین کے قائل تھے، دیکھئے کتاب الام (ج ۱ ص ۲۳)
امام اہل سنت احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ:

”یرفع یدیه فی کل تکبیرۃ“ (عیدین کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہئے۔
(مسائل احمد روالیۃ ابی داؤد: ص ۶۰ باب التکبیر فی صلوۃ العید)
ان تمام آثار سلف کے مقابلے میں محمد بن الحسن الشیبانی نے لکھا ہے کہ:
”ولا یرفع یدیه“ اور (عیدین کی تکبیرات میں) رفع یدین نہ کیا جائے۔
(کتاب الاصل: ج ۱ ص ۳۷، ۳۸، ۳۹ والاوسط لابن المنذر: ج ۱ ص ۲۸۲)

یہ قول دو وجہ سے مردود ہے:

۱: محمد بن الحسن الشیبانی کذاب ہے۔ (دیکھئے کتاب الضعفاء للعقلمی: ج ۴ ص ۵۲، وسندہ صحیح، وجزء رفع الیدین للبخاری تحقیقی: ص ۳۲) اس کی توثیق کسی معتبر محدث سے، صراحۃً باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ میں نے اس موضوع پر ایک رسالہ

”النصر الربانی“ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ شیبانی مذکور کذاب و ساقط العدالت ہے، والحمد للہ
۲: اس کذاب مذکور کا قول سلف صالحین کے اجماع و اتفاق کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی مردود ہے۔
جنازہ میں ہر تکبیر پر رفع یدین سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ج ۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۸/۳ ج ۱۱۳۸۸، و اسنادہ صحیح)
مکحول تابعی جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری: ج ۱۱۶، و سندہ حسن)
امام زہری جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری: ج ۱۱۸، و سندہ صحیح)
قیس بن ابی حازم (تابعی) جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری: ج ۱۱۲، و سندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۶/۳ ج ۱۱۳۸۵) نافع بن جبیر جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین: ج ۱۱۴، و سندہ حسن) حسن بصری جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین: ج ۱۲۲، و سندہ صحیح)
درج ذیل علماء سلف صالحین بھی جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کے قائل و فاعل تھے۔
عطاء بن ابی رباح (مصنف عبدالرزاق: ۴۶۸/۳ ج ۶۳۵۸، و سندہ قوی) عبدالرزاق (مصنف: ج ۶۳۲۷)
محمد بن سیرین (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۷/۳ ج ۱۱۳۸۹، و سندہ صحیح)
ان تمام آثار سلف صالحین کے مقابلے میں ابراہیم نخعی (تابعی) جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتے تھے
(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۳ ص ۲۹۶ ج ۱۱۳۸۶، و سندہ حسن)
معلوم ہوا کہ جمہور سلف صالحین کا یہ مسلک ہے کہ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا جائے، جیسا کہ باحوالہ گزر چکا ہے اور یہی مسلک رائج و صواب ہے، والحمد للہ

(۱۵) سجدہ سہو: سجدہ سہو سلام سے پہلے بھی جائز ہے (صحیح بخاری: ج ۱۶۳/۱ ج ۱۲۲۴، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۱) اور سلام کے بعد بھی جائز ہے۔ (صحیح بخاری: ج ۱۲۶/۱ ج ۱۲۲۶، صحیح مسلم: ج ۴ ص ۵۷) سجدہ سہو میں صرف ایک طرف سلام پھیرنے کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ہے۔

(۱۶) اجتماعی دُعا: دُعا کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”الدعاء هو العبادة“ دُعا ہی عبادت ہے۔

(ترمذی: ج ۵، ۱۶۰/۲ ج ۳۲۲۷، ۳۲۷۲، البوداؤد: ج ۱۵/۱ ج ۱۷۷۹، وقال الترمذی: "هذا حديث حسن صحيح")
نماز کے بعد متعدد دعائیں ثابت ہیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ج ۲/۲ ج ۹۳۷، ۶۳۲۹ ج ۶۳۳۰) ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز کے آخر والی دعا کو زیادہ مقبول قرار دیا ہے۔ (ترمذی: ج ۲/۲ ج ۱۸۷۹ ج ۳۴۹۹)

وسندہ ضعیف) مطلق دعائیں ہاتھوں کا اٹھانا متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ (نظم المبتاثر من الحديث المتواتر: ص ۱۹۰، ۱۹۱) فرض نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا التزاماً یا لزوماً اجتماعی دعا کرنا ثابت نہیں ہے۔ (دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۸۲، بذل المجہود: ج ۳ ص ۱۳۸، قد قامت الصلوۃ: ص ۲۰۵)

(۱۷) نماز فجر (صبح) کی دو سنتیں: صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إذا أقيمت الصلوة فلا صلوة إلا المكتوبة“

جب نماز کی اقامت ہو جائے تو (اس) فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (۱/۲۳۷ ح ۶۳۷۱) قیس بن قہد رضی اللہ عنہ آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ یہ نماز پڑھی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور صبح کی دو رکعتیں (سنتیں) پڑھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا: ”ماہاتان الرکعتان“؟ یہ دو رکعتیں کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: میری (یہ) دو رکعتیں صبح سے پہلے والی رہ گئی تھیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور کچھ نہیں کہا۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۴۲ ح ۱۱۱۶، صحیح ابن حبان: ۸۲۴۲ ح ۲۴۶۲) امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے (المستدرک: ج ۱ ص ۲۷۲) اس سلسلہ میں سورج نکلنے کے بعد نماز پڑھنے والی روایت (سنن ترمذی: ۴۲۳۳ میں) ہے اس میں قتادہ راوی مدلس ہے، اور عن سے روایت کر رہا ہے۔ لہذا وہ روایت مشکوک اور ضعیف ہے۔

(۱۸) جمع بین الصلاتین: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر و عصر کی دونوں نمازیں اکٹھی کر کے پڑھیں۔ اسی طرح مغرب و عشاء کی بھی اکٹھی پڑھی ہیں (صحیح مسلم: ۱/۲۴۵ ح ۲۶۰۴)۔ متعدد صحابہ جمع بین الصلاتین فی السفر کے قائل و فاعل تھے۔ مثلاً ابن عباس، انس بن مالک، سعد، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ ص ۴۵۲، ۴۵۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے شارح اعظم و مبین اعظم تھے۔ لہذا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کا فعل قرآن پاک کے خلاف ہو۔ لہذا سفر میں جمع بین الصلاتین کو قرآن مجید کے مخالف سمجھنا غلط ہے۔ عذر کے بغیر نمازیں جمع کرنا ثابت نہیں ہے۔ سفر، بارش، انتہائی شدید شرعی عذر کی بنیاد پر جمع کرنا جائز ہے۔ (کما ثبت فی صحیح مسلم) جمع تقدیم و جمع تاخیر مثلاً ظہر کے وقت عصر کی نماز بھی پڑھ لینا یا پھر عصر کے وقت ظہر کی نماز پڑھنا دونوں طرح جائز ہے۔ (مشکوٰۃ، تحقیق: ۱۳۴۴، ابوداؤد: ۱۷۹۱ ح ۱۲۲۰، ترمذی: ۱۲۴۱ ح ۵۵۳ و صحیح ابن حبان: ۱۵۹۱) سفر میں جمع بین الصلاتین کی روایات صحیح بخاری (۱/۱۳۹ ح ۱۱۱۲ تا ۱۱۱۸) میں بھی موجود ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بارش میں دو نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے (موطا امام مالک: ۱/۳۲۹ ح ۳۲۹، وسندہ صحیح)

(۱۹) نماز وتر: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت وتر کا ثبوت قولاً اور فعلاً دونوں طرح متعدد احادیث سے

ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے (صحیح بخاری: ۱/۱۳۵ ح ۹۹۰ قول، ۱/۱۳۶ ح ۹۹۵ فعل، صحیح مسلم: ۱/۲۵ ح ۱۴۶ ح ۴۹/۱ قول۔ ۱/۲۵ ح ۱۵۷ ح ۴۹/۱ فعل) آپ ﷺ نے فرمایا:

”الوتر حق علی کل مسلم فمن أحب أن یوتر بخمس فلیفعل ومن أحب أن یوتر

بثلاث فلیفعل ومن أحب أن یوتر بواحدة فلیفعل“

وتر ہر مسلمان پر حق ہے۔ پس جس کی مرضی ہو پانچ وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو تین وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو ایک وتر پڑھے۔ (سنن ابی داؤد: ۱/۲۰۸ ح ۱۴۲۲، سنن نسائی مع التعليقات السلفیة: ۱/۱۷۱ ح ۱۷۱۳) اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے (الاحسان: ج ۴ ص ۶۳ ح ۲۴۰۳) اور امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (المستدرک: ج ۱ ص ۳۰۲) تین رکعات وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھے اور سلام پھیر دے پھر ایک وتر پڑھے (صحیح مسلم: ۱/۲۵ ح ۱۲۲ ح ۳۶، ۱/۲۳ ح ۳۷، صحیح ابن حبان: ج ۴ ص ۷۰ ح ۲۴۲۶، مسند احمد: ج ۲ ص ۶۷ ح ۲۴۲۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ج ۱ ص ۴۲۲ و اسنادہ صحیح) تین وتر، نماز مغرب کی طرح پڑھنا ممنوع ہیں۔ (صحیح ابن حبان: ج ۴ ص ۶۸، المستدرک: ج ۱ ص ۳۰۲، اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے)۔ لہذا ایک سلام اور دو شہدوں سے تین وتر اکٹھے پڑھنا ممنوع ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک سلام سے تین وتر پڑھنا چاہتا ہے جیسا کہ بعض آثار سے ثابت ہے تو اسے چاہئے کہ دوسری رکعت میں تشہد کے لئے نہ بیٹھے بلکہ تین وتر ایک تشہد ہی سے پڑھے۔

(۲۰) نماز قصر: صحیح مسلم (۲۴۲/۱ ح ۶۹۱/۱۲) میں یحییٰ بن یزید الہنائی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

”سألت أنس بن مالك عن قصر الصلوة فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

إذا خرج ميسرة ثلاثة أميال أو ثلاثة فراسخ - شعبة الشاك - صلى ركعتين“

میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین (۳) میل یا تین فرسخ (نومیل) سفر کے لئے نکلتے۔ شعبہ کو شک ہے (تین یا نو کے بارے میں) تو آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما تین (۳) میل پر بھی قصر کے جواز کے قائل تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ ص ۴۴۳ ح ۸۱۲۰) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل تھے (فقہ عمر اردو ص ۳۹۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۴۴۵ ح ۸۱۳۷)۔ احتیاط بھی اسی میں ہے کہ کم از کم نو (۹) میل پر قصر کیا جائے، اس طرح تمام احادیث پر عمل با آسانی ہو جاتا ہے۔

(۲۱) قیام رمضان (تراویح): صحیح بخاری (۲۶۹/۱ ح ۲۰۱۳) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات (۱۱) سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث کی روشنی میں جناب انور شاہ کاشمیری دیوبندی فرماتے ہیں:

”ولا مناص من تسليم أن تراويحه عليه السلام كانت ثمانية ركعات“
اس بات کے تسلیم کرنے سے کوئی چھٹکارا نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح آٹھ رکعات تھی۔
(العرف الشذی: ج ۱ ص ۱۶۶)

اور مزید فرماتے ہیں:

”وأما النبي صلى الله عليه وسلم فصاح عنه ثمان ركعات و أما عشرون ركعة فهو عنه عليه السلام بسند ضعيف و على ضعفه اتفاق“
اور مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ (۸) رکعتیں صحیح ثابت ہیں، اور بیس (۲۰) رکعات والی جو حدیث آپ سے مروی ہے تو وہ ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (ایضاً: ص ۱۶۶)
امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے حکم دیا: ”أن يقو مال للناس بإحدى عشرة ركعة“ کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ (موطا امام مالک: ص ۹۸ ونسخہ آخری ۱۱۵۱ ج ۲ ص ۲۴۹)
اسے امام ضیاء المقدسی نے صحیح قرار دیا ہے۔ محمد بن علی النیموی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: وإسناده صحيح اور اس کی سند صحیح ہے (آثار السنن: ج ۶ ص ۷۷) لہذا بعض متعصب فرقہ پرستوں کا پندرہویں صدی میں اسے مضطرب وغیرہ کہنا باطل اور بے بنیاد ہے۔ اس حکم پر ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما نے عمل کر کے دکھایا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ ص ۳۹۱، ۳۹۲ ج ۶ ص ۷۷) صحابہ رضی اللہ عنہم بھی گیارہ (رکعت) ہی پڑھتے تھے۔ (سنن سعید بن منصور، بحوالہ الحاوی للسیوطی: ص ۳۴۹ ج ۲)۔ اس عمل کی سند کو حافظ سیوطی ”بسند في غاية الصحة“ بہت زیادہ صحیح سند کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سے بلحاظ حکم و بلحاظ فعل، بیس (۲۰) رکعات با سند صحیح قطعاً ثابت نہیں ہیں۔

(۲۲) تکبیرات عمیدین: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”التكبير في الفطر سبع في الأ ول و خمس في الآخرة والقراءة بعد هما كلتيهما“
عید الفطر کے دن پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں۔ اور دونوں رکعتوں میں قرأت ان تکبیروں کے بعد ہے۔ (ابوداؤد: ۱۷۰۱ ج ۱ ص ۱۱۵۱)

اس حدیث کے بارے میں امام بخاری نے کہا: ”هو صحيح“ (العلل الكبير للترمذی: ج ۱ ص ۲۸۸)
اسے امام احمد بن حنبل اور امام علی بن المدینی نے بھی صحیح کہا ہے۔ (الخصائص الجبر: ۸۴۲) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے حجت ہونے پر میں نے مسند الحمیدی کی تخریج میں تفصیلی بحث لکھی ہے۔ اس روایت کے دیگر شواہد کے لیے ارواء

الغلیل (۱۰۶ تا ۱۱۳) وغیرہ دیکھیں۔ نافع فرماتے ہیں: کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز پڑھی۔ انہوں نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ (موطا امام مالک: ۱۸۰/۱ ج ۳ ص ۴۳۵) اس کی سند بالکل صحیح اور بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔

شعیب بن ابی حمزہ عن نافع کی روایت میں ہے۔ ”وہی السنة“ (السنن الکبریٰ: ج ۳ ص ۲۸۸) اور یہ سنت ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ: ہمارے ہاں یعنی مدینہ میں اسی پر عمل ہے (موطا: ۱۸۰/۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی: ۳۴۵/۴)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ ص ۱۷۳ ج ۵ ص ۵۷۰)۔ ابن جریج کے سماع کی تصریح احکام العیدین للفریابی (ص ۱۷۶ ج ۱۲۸) میں موجود ہے، اس کے دیگر صحیح شواہد کے لیے ارواء الغلیل (ج ۳ ص ۱۱۱) وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز بھی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ ص ۱۷۶ ج ۵ ص ۵۷۰، احکام العیدین: ج ۱ ص ۱۷۶ ج ۱۷۷)

اس کی سند صحیح ہے۔ (سواطع القمرین ص ۱۷۲)۔ باب رفع یدین (۱۴) کے تحت یہ باسند حسن گزر چکا ہے کہ جو شخص رفع یدین کرتا ہے اسے ہر انگلی کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے ہر تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے (ابوداؤد: ۱۱۱/۱ ج ۲ ص ۷۲، مسند احمد: ۲/۱۳۳ ج ۵ ص ۶۱۷) اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (ارواء الغلیل: ج ۳ ص ۱۱۳) امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے تکبیرات عیدین میں رفع یدین کے مسئلے پر اس حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ (التلخیص الحمبر: ج ۲ ص ۸۶) اور یہ استدلال صحیح ہے، کیونکہ عموم سے استدلال کرنا بالاتفاق صحیح ہے۔ جو شخص رفع یدین کا منکر ہے وہ اس عام دلیل کے مقابلے میں خاص دلیل پیش کرے۔ یاد رہے کہ تکبیرات عیدین میں عدم رفع یدین والی ایک دلیل بھی پورے ذخیرہ حدیث میں نہیں ہے۔

(۲۳) نماز جمعہ: جمعہ کا فرض ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”صلاة السفر ركعتان ، وصلاة الجمعة ركعتان ، والفطر والأضحى ركعتان تمام غیر

قصر ، علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم“

نماز سفر دو رکعتیں ہیں اور نماز جمعہ دو رکعتیں ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی (بھی) دو رکعتیں ہیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر پوری ہیں قصر نہیں ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ج ۴ ص ۱۰۶۳)

قرآن پاک کی آیت مبارکہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ۔﴾ الخ (سورہ جمعہ: ۹)

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن پر جمعہ فرض ہے، چاہے وہ شہری ہو یا دیہاتی۔ طارق بن شہاب صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض“
ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ پڑھنا فرض ہے، سوائے چار کے، ۱: غلام، ۲: عورت، ۳: نابالغ، ۴: مریض۔
(سنن ابی داؤد: ۱۶۰۱/۱ ج ۱۰ ص ۱۰۶)

اس کی سند صحیح ہے۔ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ لمحاظ روایت صحابی ہیں۔ چونکہ اس حدیث پاک اور دوسری احادیث میں دیہاتی کو جمعہ سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، لہذا ثابت ہوا کہ دیہاتی پر جمعہ فرض ہے۔ مزید تحقیق کے لئے صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث کا مطالعہ کریں۔ خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں حکم دیا تھا کہ:

”جمعوا حیث ما كنتم“ (اے لوگو! تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔) (فقہ عمر: ص ۲۵۵ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۲/۱ ج ۵ ص ۵۰۶۸)
حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں (ہدایہ: ج ۱ ص ۱۶۷) انہوں نے اس سلسلہ میں متعدد شرطیں بھی بنا رکھی ہیں۔ ان کے متعدد مولویوں نے دیہات میں جمعہ کے صحیح نہ ہونے پر کتا میں بھی لکھی ہیں، مگر ان تمام فقہی تحقیقات کے برعکس اب حنفی عوام اس مسئلہ میں حنفی مذہب کو ترک کر کے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھ رہے ہیں، اللھم زد فزد۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب حنفی عوام بعض مسائل میں ”تقلید“ صرف برائے نام ہی کرتے ہیں۔

(۲۴) نماز جنازہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازہ پر سورہ فاتحہ (اور ایک سورت پکار کر) پڑھی اور پوچھنے پر فرمایا: ”(میں نے اس لیے بالجبر پڑھی ہے کہ) تم جان لو کہ یہ سنت (اور حق) ہے۔“
(صحیح بخاری: ۱۸۱/۱ ج ۱ ص ۱۳۳۵، سنن نسائی: ۲۸۱/۱ ج ۱ ص ۱۹۸۹، مشکوٰۃ ابن الجارود: ص ۱۸۸ ج ۵ ص ۵۳۶، پہلی بریکٹ کے الفاظ نسائی کے ہیں، دوسری بریکٹ کے الفاظ مشکوٰۃ کے ہیں۔ آخری کے الفاظ نسائی وابن الجارود کے ہیں)
ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”السنة في الصلوة على الجنابة أن يقرأ في التكبيرة الأولى بأَم القرآن مخافتة ثم يكبر ثلاثاً والتسليم عند الآخرة“

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر اولیٰ میں سورہ فاتحہ خفیہ پڑھی جائے، پھر تین تکبیریں کہی جائیں اور آخری تکبیر پر سلام پھیر دیا جائے۔ (سنن نسائی: ج ۱ ص ۲۸۱ ج ۱ ص ۱۹۹۱)
آپ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے:

”السنة في الصلاة على الجنابة أن تكبر ثم تقرأ بأَم القرآن ثم تصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم تخلص الدعاء للميت ولا تقرأ إلا في التكبيرة الأولى ثم تسلم في

نفسه عن يمينه“

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تم تکبیر کہو پھر سورہ فاتحہ پڑھو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔ پھر خاص طور پر میت کے لیے دعا کرو، قرأت صرف پہلی تکبیر میں کرو پھر اپنے دل میں (یعنی سرّاً) دائیں طرف سلام پھیر دو۔

(منشی ابن الجارود: ص ۱۸۹ ح ۵۴۰، مصنف عبدالرزاق: ۳/۴۸۸، ۴۸۹ ح ۶۲۲۸)

اس کی سند صحیح ہے (ارواء الغلیل: ج ۳ ص ۱۸۱)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر جنازہ ہو جاتا ہے یا انہوں نے سورہ فاتحہ کے بغیر جنازہ پڑھا ہو۔ نماز جنازہ میں وہی درود پڑھنا چاہیے جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (یعنی نماز والا) ”رحمت ورحمت“ والا۔ خود ساختہ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

(۲۶) دعوت: حسب استطاعت قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا اور پھر اسے آگے پہنچانا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ امام کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بلغوا عني ولو آية“ مجھ سے دین لے کر لوگوں تک پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔ (صحیح بخاری: ۱/۴۹۱ ح ۳۴۶۱) دعوت صرف قرآن اور صحیح احادیث کی دینی چاہیے۔ اپنے فرقہ وارانہ مذہب اور قصے کہانیوں کی دعوت دینا حرام ہے۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ہر بات پر دلیل بھی پیش کرے تاکہ جو زندہ رہے دلیل دیکھ کر زندہ رہے اور جو مرے دلیل دیکھ کر مرے۔ ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (الانفال: ۴۲)

(۲۷) جہاد: دعوت دین کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ میں صحیح العقیدہ لوگوں کی ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں اور جو لوگ اس راستہ میں رکاوٹ بنیں ان سے زبانی، قلمی اور جسمانی جہاد کریں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال فی سبیل اللہ سے بالکل دریغ نہ کریں تاکہ ساری دنیا میں کتاب وسنت کا پرچم سر بلند ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف“

اور جان لو کہ بے شک جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱/۴۲۵ ح ۳۰۲۵، صحیح مسلم: ۲/۸۴۲ ح ۱۷۴۲۲۰) تنبیہ: اس جماعت سے مراد اہل ایمان کا گروہ ہے، موجودہ کاغذی اور نظام امارت و رکنیت والی جماعتیں مراد نہیں ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے شیخ الاسلام المجاہد عبد اللہ بن المبارک المروزی کی ”کتاب الجہاد“ وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارا خاتمہ قرآن، حدیث، صحابہ، تابعین، محدثین اور ائمہ مسلمین کی محبت میں کرے اور دنیا و آخرت دونوں میں ہمیں ہر قسم کی رسوائی سے بچائے۔ آمین ثم آمین وما علينا إلا البلاغ

توضیح الاحکام

صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا؟ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام؟ طارق جمیل صاحب کی روایتیں فضیلۃ الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

اللہ سے دعا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں اضافہ فرمائے اور آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین) ماہنامہ شہادت میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے لکھا کہ صف میں پیچھے رہ جانے والے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی لہذا اسے دوبارہ نماز پڑھ لینی چاہئے جبکہ اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے مبشر احمد ربانی صاحب نے لکھا کہ یہ اضطراری کیفیت ہے اس صورت میں اکیلے آدمی کی نماز ہو جائے گی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگلی صف سے آدمی کو بھی نہ کھینچا جائے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو صف کو ملاتا ہے اللہ اسے ملاتا ہے اور جو صف کو توڑتا ہے اللہ اسے توڑتا ہے“ اس حدیث کی وجہ سے صف سے آدمی کو نہ کھینچا جائے اکیلے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی، کیونکہ یہ اضطراری کیفیت ہے۔

آپ آگاہ فرمائیں کہ کیا جائے علماء کی دو قسم کی آراء ہیں طلباء اور عوام کس رائے پر عمل کریں۔ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب ارشاد فرمائیں؟

سوال ۲: ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر کے پاس سے گزرے تو ایک عورت اشعار پڑھ رہی تھی کہ آج میرے خاوند جہاد پر گئے ہوئے ہیں اگر مجھے شریعت کا ڈر نہ ہوتا تو میرے بستر پر آج کوئی غیر مرد ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو اپنی بیٹی کے پاس گئے اور جا کر پوچھا کہ اے میری بیٹی ایک عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے تو انہوں نے کہا کہ دو ماہ یا زیادہ سے زیادہ چار ماہ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں قانون بنا دیا کہ کوئی مرد مجاہد چار ماہ سے زائد گھر سے باہر نہ رہے بلکہ وہ چھٹی لے کر گھر آئے اور اپنے حقوق زوجیت ادا کرے۔

کیا یہ واقعہ صحیح اسناد سے ثابت ہے؟ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو پھر بہت سارے مجاہدین اور تبلیغی جماعت والے سال کیلئے یا دو سال کے لئے گھر سے نکل جاتے ہیں، وہ تو ان حقوق کو پورا نہیں کرتے۔ اس واقعہ کا حوالہ بھی دیں کہ یہ

کون سی کتاب میں ہے۔ یہ دونوں سوال ماہنامہ شہادت^(۱) کیلئے ہیں، تاکہ لوگ قرآن و سنت سے آگاہ ہو سکیں اور لوگوں کے اندر تحقیق کی جیت پیدا ہو سکے۔ یہ سوال ماہنامہ شہادت میں ضرور بھیجے گا کیونکہ یہ بہت اہم سوال ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اور مجھے قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

خرم ارشاد محمدی دولنگر تحصیل و ضلع گجرات (۲۰۰۴-۱۰-۵)

جواب : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ جوابات درج ذیل ہیں۔

۱: وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رسول اللہ ﷺ راى رجلاً یصلی خلف الصف وحده فأمره أن یعید ۔

بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی دیکھا (جو) صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے (نماز) لوٹانے کا حکم دیا۔ (سنن ابی داود: ۶۸۲، الترمذی: ۲۳۰ وقال: ”حسن“ ابن ماجہ: ۱۰۰۴، وصحیح

ابن حبان، الموار: ۴۰۳ وللحدیث طرق عند ابن خزمیہ: ۱۵۶۹ وابن حبان: ۴۰۱ وغیرہما)

اس روایت کی سند صحیح ہے (نبیل المقصود) شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا: ”صحیح“ (سنن ابی داود، تحقیق الشیخ الالبانی ص ۱۱۰)

۲: علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”فانه لا صلوة لرجل فرد خلف الصف“ بے شک صف کے پیچھے اکیلا آدمی کی نماز نہیں ہوتی

(مسند احمد: ۴/۲۳۶ ح ۱۶۴۰۶، ابن ماجہ: ۴۰۳ وصحیح ابن خزمیہ: ۱۵۶۹ وابن حبان: ۴۰۱) اس روایت کی سند صحیح ہے

(تسہیل الحاجہ ص ۶۸) بوسیری نے کہا: ”هذا إسناد صحيح، رجاله ثقات“ (زوائد ابن ماجہ)

۳: حدیث وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کے مطابق امام احمد اور امام اسحاق (بن راہویہ) فرماتے ہیں کہ صف کے

پیچھے اکیلا آدمی (نماز پڑھنے والا) اپنی نماز دوبارہ پڑھے گا، اور یہی قول حماد بن ابی سلیمان (محمد) ابن ابی لیلی (الفقیہ)

اور وکیع کا ہے (الترمذی: ۲۳۰)

۴: ابن ابی شیبہ نے حفص (بن غیاث) سے عن عمرو بن مروان (ثقة) عن ابراہیم (النجفی) کی سند سے نقل کیا ہے

کہ: ”یعیّد“، یعنی نماز دہرائے گا۔ (۱۹۳۶ ح ۵۸۸۸) حفص بن غیاث مدلس ہے لہذا یہ سند ضعیف ہے،

مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے برعکس روایات بھی ہیں جو بلحاظ تدلیس وغیرہ ضعیف ہیں۔

۵: ابن حزم کے نزدیک صف کے پیچھے اکیلا مقتدی کی نماز باطل ہے۔ (المحلی: ۵۲/۴ مسئلہ ۴۱۵)

۶: وابصہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بعد عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ:

(۱) ماہنامہ ”شہادت“ کے ساتھ ساتھ، عام بھائیوں کے فائدے کے لئے یہ جواب ”الحدیث“ کے اس شمارے میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

”وكان أبي يقول بهذا الحديث“

اور میرے ابا جان یا والد ماجد اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ (مسند احمد: ۴/۲۲۸ ج ۱۸۱۷) ۷: ابراہیم النخعی کا قول یہ ہے کہ صف کے پیچھے اکیلا آدمی رکوع نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ: ۱/۲۵۷ ج ۲۶۳۵) یہی تحقیق ابن ابی شیبہ کی ہے (ایضاً: ۲۶۳۶) بلکہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ پر رد لکھا ہے۔

(مصنف: ۱۴/۱۵۶، ۱۵۷ ج ۳۶۹۶، ۳۶۹۷ ج ۳۶۰۷)

ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری (متوفی ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں: ”صلوة الفرد خلف الصف باطل لثبوت خبر وابصة“ الخ یعنی صف کے پیچھے اکیلے کی نماز، وابصة (رضی اللہ عنہ) کی حدیث کی وجہ سے باطل ہے۔

(الاصول في السنن والاجماع والاختلاف: ۴/۱۸۴ ج ۱۹۹)

۸: مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر کوئی شخص مصلیٰ بعد اتمام صف صلوٰۃ مسجد میں آیا اور صف میں اس نے کوئی جگہ نہیں پائی تو وہ اکیلا صف کے پیچھے نماز نہ پڑھے بلکہ کسی شخص کو اطراف صف سے کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے“ الخ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۷۷) اطراف صف کا مطلب یہ ہے کہ: ”صف کے کنارے سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ شامل کرے“ (فتاویٰ علمائے حدیث: ۳/۲۳۸)

۹: جمہور علماء کا خیال ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کی نماز، عذر کی صورت میں ہو جاتی ہے (صلوٰۃ الجماعة، تالیف: صالح بن غانم السد لان ص ۱۱۲) امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ: ”لا یعید“ وہ اعادہ نہیں کرے گا۔

(مصنف عبد الرزاق: ۲/۵۹۲ ج ۲۲۸)

اسماء الرجال اور حدیث کی تصحیح و تضعیف میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ترجیح ہوتی ہے الا یہ کہ جرح مفسر ہو۔ جبکہ فقہی مسائل وغیرہ میں دلیل صریح کے مقابلے میں جمہور کا قول مرجوح ہوتا ہے۔ والحق أحق أن يتبع

صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہ ہونے والا قول رائج ہے اگرچہ اس کے قائلین جمہور کے مقابلے میں کم ہیں۔

۱۰: صف سے آدمی کھینچنے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں پکڑ کر دائیں طرف کھڑا کر دیا، پھر جابر بن صخر رضی اللہ عنہ آئے تو نبی ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے جابر بن عبد اللہ اور جابر بن صخر رضی اللہ عنہما دونوں کو دھکیل کر پیچھے کھڑا کر دیا۔

دیکھئے صحیح مسلم (۳۰۱۰، وتر قیام دار السلام: ۵۱۶، باب حدیث جابر الطویل وقصة أبي اليسر)

اب چندا ہم تنبیہات پیش خدمت ہیں:

۱: عورت اگر اکیلی بھی ہو تو اس کی نماز ہو جاتی ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

۲: ایک حدیث میں آیا ہے کہ: ”وسطوا الإمام“ امام کو درمیان میں کرو (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۶۱۷) یہ روایت لمحاظ سند ضعیف ہے، اس میں امتہ الواحد: مجہولہ ہے (تقریب: ۸۵۳۳) یحییٰ بن بشیر بن خلاد: مستور ہے۔ (ایضاً: ۵۱۵۷) نیز دیکھئے أنوار الصحیفة فی الأحادیث الضعیفة (ص ۲۰، ابوداؤد: ۶۸۱) ۳: صف کے پیچھے اکیلے نمازی کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔

۱: نماز نہیں ہوتی ب: نماز ہو جاتی ہے۔ ج: عذر ہو مثلاً (اگلی صف بھری ہوئی ہو) تو نماز ہو جاتی ہے۔ ان اقوال میں اول قول ہی رائج ہے، جبکہ محترم مبشر احمد ربانی صاحب کی تحقیق واجتہاد میں ثالث الذکر (ج) قول رائج ہے۔ ۴: علماء کے درمیان اگر اجتہادی امور میں اختلاف ہو تو رائج لے کر مرجوح چھوڑ دیں اور علماء کا مکمل احترام کریں۔ جواب (۲) اس مفہوم کا اثر حافظ ابن کثیر نے مؤطا امام مالک سے بسند عمرو بن دینار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے (۵۴۱/۱، سورہ البقرہ: ۲۲۷) یہ اثر مؤطا امام مالک میں نہیں ملا، دوسرے یہ کہ عمرو بن دینار نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا دیکھئے تحفۃ الاشراف (۹۴۸ ح ۱۰۶۱۳، ولفظہ: عمرو بن دینار المکی الأنرم عن عمر ولم یدرکہ) یہی نے اسماعیل بن ابی اویس حدثنی مالک عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر قال: خرج عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من اللیل فسمع امرأة تقول الخ کی سند سے اس کے ہم معنی روایت بیان کی ہے (۲۹/۹) تفسیر ابن کثیر میں اس کا ایک شاہد بھی ہے (۵۴۱/۱) مصنف عبدالرزاق (۱۵۰/۱، ۱۵۱، ح ۱۲۵۹۳) اور المحلی لابن حزم (۴۰۱/۱۰ مسئلہ: ۱۸۸۶) وغیرہ میں اس مفہوم کی دوسری سندیں بھی ہیں لیکن کی ہر سند فرداً فرداً ضعیف ہے، لہذا رائج تحقیق میں یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم (۲۰۰۴-۱۶)

سوال: آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا یا والد؟ کیونکہ ”آب“ کا لفظ والد کے ساتھ ساتھ چچا کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ (طارق، دوہیل، مظفر آباد، ۱۵ جون ۲۰۰۴ء) جواب: آزر کے بارے میں دو مذہب مشہور ہیں۔

۱: ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے۔ ۲: آزر، ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے۔ میری تحقیق میں پہلا مذہب ہی صحیح اور حق ہے۔

(۱) مذہب اول کے دلائل: ۱: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَرِئِي مَا تَعْبُدُ ۖ قَالَ تَعْبُدُ الْغُلُوزَ وَنَجْمَ الْكَوْكَبِ ۚ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۚ﴾ (سورۃ الانعام: ۷۴)

و یاد کن چون گفت ابراہیم پدر خواہ آزر را خدا میگیر ی بتان را۔ (فارسی ترجمہ: شاہ ولی اللہ دہلوی: ص ۱۶۶)

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو، تو کیا پکڑتا ہے مورتوں کو خدا؟ (اردو ترجمہ: شاہ عبدالقادر دہلوی: ص ۱۶۶)

۲: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”یلقى إبراهيم أباه آزر يوم القيامة“

و علی وجہ آزر قنبرہ وغیرہ“ الخ ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے۔
(صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب ۸: ج ۸: ۳۳۵۰)
۹۳: قرآن مجید میں درج ذیل آیات مبارکہ میں ﴿لَا يَبِيْهُ﴾ کہہ کر ابراہیم علیہ السلام کے بت پرست والد کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۳) سورہ التوبہ، آیت: ۱۱۴ (۴) سورہ الممتحنہ: ۴ (۵) مریم: ۴۲ (۶) الانبیاء: ۵۴ (۷) الشعراء: ۷۰ (۸) الصافات: ۸۵ (۹) الزخرف: ۲۶۔

۱۰: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا کہ: ﴿وَاغْفِرْ لِیْ اِنَّہٗ كَانَ مِنَ الضَّالِّیْنَ﴾ اور میرے باپ کی مغفرت کر، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا۔ (سورہ الشعراء: ۸۶)
۱۱: ابراہیم علیہ السلام نے بار بار ﴿يَا اَبَتِ﴾ کہہ کر اپنے والد کو مخاطب کیا۔
(۱۱) سورہ مریم: ۴۲ (۱۲) مریم: ۴۳ (۱۳) مریم: ۴۴ (۱۴) مریم: ۴۵
۱۵: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”إن إبراهيم رأى أباه يوم القيامة، عليه الغبرة والقنبرة“

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) اپنے باپ کو قیامت کے دن دیکھیں گے، اس پر گرد اور کالک چھائی ہوگی۔
(السنن الکبریٰ للنسائی: ج ۵: ۱۱۳۷، والتفسیر للنسائی: ج ۳۹۵ وسندہ صحیح، ولہ طریق آخر عند البخاری فی صحیحہ: ۶۸۷۸)
۱۶: اسماعیل بن عبد الرحمن السدی (تابعی) نے کہا:

”اسم أبیه آزر“ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہے۔ (تفسیر طبری: ج ۷ ص ۱۵۸، وسندہ حسن لذاتہ)

تنبیہ: ایک دوسری روایت میں سدی مذکور نے صیغہ تملیض استعمال کرتے ہوئے کہا:

”و یقال: لا بل اسمه تارح واسم الصنم آزر“ (تفسیر طبری: ۱۵۸/۷، وسندہ حسن)
”و یقال“ میں اشارہ ہے کہ یہ دوسرا قول مردود ہے، مجہول قائل کا یہ مردود قول تفسیر ابن ابی حاتم (۱۳۲۵/۴) اور درمنثور (۲۳/۳) میں الفاظ کے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲) مذہب دوم کے دلائل: ۱: مجاہد تابعی سے مروی ہے کہ:

”آزر لم یکن بأبیہ ولكنه اسم صنم“ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۳۲۵/۴، وتفسیر طبری: ۱۵۸/۷)

اس قول کی سند کا ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے، اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۲۱۷ تا ۲۱۹) حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”ولیت ضعیف“ اور لیث (بن ابی سلیم) ضعیف ہے۔ (فتح الباری: ج ۲ ص ۲۱۴ ج ۲۹) ضعف کی وجہ اس کا آخری عمر میں اختلاط ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۶۸۵)
لیث مذکور مدلس بھی ہے، دیکھئے کتاب ”مشاہیر علماء الأمصار“ لابن حبان (ص ۱۴۶ رقم: ۱۱۵۳)

لہذا یہ روایت دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔ ایک دوسری سند میں ابن ابی کحجہ مدلس راوی ہے لہذا وہ سند بھی ضعیف ہے۔

۲: ابن جریج سے مروی ہے کہ: ”لیس آذر بأبیہ“ الخ (درمنثور: ج ۳ ص ۲۳ بحوالہ: ابن المذہب)

اس روایت کی کوئی سند معلوم نہیں ہے، لہذا یہ روایت مردود ہے۔

۳: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

”إن أبا إبراهيم لم يكن اسمه آذر، إنما كان اسمه تارح“ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۴/۱۳۲۵ ج ۱ ص ۷۹۱)

یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ بشر بن عمارہ الخعمی المکتب الکوفی: ضعیف ہے (تقریب: ۶۹۷) ضحاک بن مزاحم نے ابن

عباس (رضی اللہ عنہما) سے (کچھ بھی) نہیں سنا، دیکھئے کتاب الجرح والتعديل (ج ۲ ص ۴۵۹ عن ابن زرعہ رحمہ اللہ)

مضبوط سند کے ساتھ مروی ہے کہ عبدالملک بن میسرہ نے ضحاک بن مزاحم سے پوچھا:

کیا آپ نے ابن عباس سے (کچھ) سنا ہے؟ کہا نہیں۔ کہا: یہ (تفسیر) جو آپ بیان کرتے ہیں، یہ کس سے لی ہے؟ کہا: تجھ سے

اور اس سے اور اس سے۔ (کتاب الجرح والتعديل: ج ۳ ص ۴۵۸، ج ۸ ص ۳۳۳، کتاب المراسیل لابن ابی حاتم: ص ۹۵)

اس روایت کا راوی معلى بن خالد الرازی ثقہ ہے اور ابواسامہ تدلیس معروف کے الزام سے بری ہے۔ دیکھئے میری

کتاب ”فتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین“ (۲/۴۴) والحمد للہ

تنبیہ (۱): ابن ابی حاتم نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے نقل کیا ہے کہ:

”يعني بأذر الصنم وأبو إبراهيم، اسمه: يازر واه اسمها مثنى“ الخ (۱۳۲۴/۴)

یہ روایت اسرائیلیات سے ماخوذ ہے، یازر اور آذر ایک ہی شخصیت کا نام ہے۔ صرف لہجے میں فرق ہے جیسے ابراہیم اور

ابراہام ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ بت کا نام آذر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بت پرست کا نام آذر نہیں ہو

سکتا رام نامی ہندو، رام بت کی عبادت کرتا ہے حالانکہ عبادت صرف ایک اللہ ہی کی کرنی چاہئے۔

تنبیہ (۲): کسی ایک صحابی یا تابعی سے یہ باسند قطعاً ثابت نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر نہیں ہے۔

تنبیہ (۳): سلیمان التیمی سے مجہول سند کے ساتھ مروی ہے کہ:

”بلغني أنها أعوج وأنها أشد كلمة قالها إبراهيم ﷺ لأبيه“ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۴/۱۳۲۵)

یہ قول مذہب اول کے مخالف نہیں ہے کیونکہ ہٹ دھرم ضدی اور کافر باپ سے جو تو حید کا انکار کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو

گھر سے نکال دے، عند الضرورت سخت الفاظ کہے جاسکتے ہیں۔

تنبیہ (۴): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح اور لقب آذر ہے، یہ قول مذہب

اول کے مطابق ہے، مخالف بالکل نہیں ہے۔

تنبیہ (۵): کسی ایک روایت میں یہ قطعاً ثابت نہیں کہ قرآن میں ”آذر“ کا لفظ چچا ”عم“ کے بارے میں ہے

جس شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں بہت سی آیات میں ”لَا يَبِيْه“ یا ”يَا اَبَتِ“ کے لفظ کا مطلب ”لَعْنَةُ“ یا ”يَا عَمَّ“ ہے۔ اس سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایک دلیل قویٰ پیش کرے جو اس کے دعویٰ پر صریح ہو۔ خلاصۃ التحقیق: ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے، چچا کا نام آزر ثابت نہیں ہے۔

روح المعانی: آلوسی نے ایک روایت لکھی ہے:

”لم أزل أنقل من أصلاّب الطاهرین إلى أرحام الطاهرات“ (روح المعانی: ج ۳ ص ۱۹۵)
یہ روایت بے اصل ہے۔ اس مفہوم کی ایک باطل و مردود روایت ابو نعیم اصبہانی کی دلائل النبوة میں ہے (ج ۱ ص ۱۵۷) اس روایت کے درج ذیل راویوں کے حالات معلوم نہیں ہیں:

یزید بن ابی حکیم!، موسیٰ بن عیسیٰ، انس بن محمد، محمد بن عبد اللہ، احمد بن محمد بن سعید المروزی، محمد بن سلیمان الهاشمی
اس باطل روایت کے بارے میں حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ:

”آخرجه أبو نعیم من طرق عن ابن عباس“ (الخصائص الکبریٰ: ۳۷۱)

حالانکہ ابو نعیم نے اسے ایک ہی سند سے روایت کیا ہے۔

تفسیر ابن ابی حاتم (ج ۹ ص ۲۸۲۸ ح ۱۶۰۲۸) وغیرہ میں حسن سند سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَقَلَّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: ”من نبي إلى نبي حتى أخرجك نبياً“
یعنی آپ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل نبی علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

اس موقف قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نبی ﷺ کے والد عبد اللہ، دادا عبد المطلب، پردادا ہاشم: یہ سب نبی تھے اور نہ یہ کسی کا عقیدہ ہے، صحیح بخاری کی صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں سے اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی نبی نہیں تھا، دیکھئے کتاب بدء الوحي (باب: ا ح ۷)

آلوسی نے لکھا ہے کہ: ”آخرجه ابن المنذر في تفسيره بسند صحيح عن سليمان بن صرد قال

فقال عمه: من أجلي دفع عنه

اس قول کی کوئی سند معلوم نہیں ہے، پتہ نہیں کہ آلوسی نے یہ کہاں سے دعویٰ کر رکھا ہے کہ ”بسند صحيح“!

بے اصل و بے سند روایات کو ”بسند صحيح“ کہہ کر تسلیم کروانا بہت ہی عجیب کام ہے۔ اگر یہ قول با سند صحیح ثابت ہو بھی جاتا تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا کہ ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر اور چچا (نام غیر معلوم) دونوں آپ علیہ السلام کے سخت مخالف تھے، اور ایسا ہونا کوئی بعید نہیں ہے، یاد رہے کہ اس بے سند روایت میں ولدیت آزر کی نفی موجود نہیں ہے محدث کبیر ابوالاشبال احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ نے صاف صاف لکھا ہے کہ:

”أما أن اسم والد إبراهيم ”آزر“ فإنه عندنا أمر قطعي الثبوت، بصريح القرآن في هذه الآية،

بدلالة الألفاظ على المعاني ، وأما التأويل والتلاعب بالألفاظ ، فما هو إلا إنكار مقنع لمضمون الكلام ومعناه ، وسواء أكان اسمه في قول أهل النسب نقلاً عن الكتب السابقة – ”تارح“ أو لم يكن ، فلا أثر له في وجوب الإيمان بصدق ما نص عليه القرآن وبدلالة لفظ ”لأبيه“ على معناه الوضعي في اللغة، والقرآن هو المهيمن على ما قبله من كتب الأديان السابقة ، ثم يقطع كل شك ويذهب بكل تأويل – الحديث الصحيح الذي رواه البخاري (ع) لمن الطبعة السلطانية: ”من فتح الباري“ : ”عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : يلقي إبراهيم أباه آزر يوم القيامة ، وعلى وجه آزر قفرة وغبرة ، فيقول له إبراهيم : ألم أقل لك : لا تعصني ؟“ إلى آخر الحديث وليس بعد هذا النص مجال للتلاعب

یعنی: ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہونا ہمارے نزدیک، اس آیت کریمہ میں قرآن کی صراحت کے ساتھ قطعی الثبوت ہے، الفاظ بھی اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں، رہا تاویل کرنا اور الفاظ کے ساتھ کھیلنا تو یہ قرآن کے مضمون کا انکار ہی ہے، اہل نسب نے اگلی (محرف شدہ) کتابوں سے تارح نقل کیا ہے، اس کا قرآن کے مقابلے میں کوئی اثر (اعتبار) نہیں ہے، لغت میں ﴿لأبيه﴾ کا لفظ اصل میں باپ پر دلالت کرتا ہے، اور قرآن مجید اگلی تمام کتابوں پر فیصلہ کن حاکم اور نگران ہے، پھر اس صحیح حدیث سے بھی ہر قسم کا شک اور تاویل باطل ہو جاتی ہے جسے بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی ﷺ سے نقل کیا ہے کہ: ابراہیم (علیہ السلام) قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے اور آزر کے چہرے پر کالک اور گردوغبار چھایا ہوگا تو اسے ابراہیم (علیہ السلام) کہیں گے: کیا میں نے تجھے یہ نہیں کہا تھا: میری نافرمانی نہ کر؟ (صحیح بخاری: ۳۳۵۰) اس حدیث کے بعد کسی تلاعب (الفاظ کے ساتھ کھیلنے) کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے“ (عمدة التفسیر: ج ۵ ص ۵۳)

سوال: طارق جمیل تبلیغی دیوبندی صاحب ایک مشہور واعظ ہیں، انہوں نے ایک واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ”سعد السلیمی رضی اللہ عنہ بنو سلیم کے بد صورت، کالے رنگ والے تھے، نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: ”جاؤ عمرو (بن وہب الشفقی) سے کہو (وہ) اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دے دے“ جب سعد رضی اللہ عنہ وہاں (عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کے پاس) پہنچے تو معلوم ہونے کے بعد عمرو بن وہب نے انکار کر دیا: ”بھاگ جا کہاں کی بات کرتا ہے؟“ عمرو کی بیٹی جو خوبصورت اور حسن و جمال میں مشہور تھی، بولی: ”اے ابا جان! یہ سوچ لو کیا کر رہے ہو، تم نبی کی بات کو ٹھکرا رہے ہو ہلاک ہو جاؤ گے، میں تیار ہوں، نبی کے حکم کے سامنے میں کالے گورے کو نہیں دیکھ رہی، میں نبی کے حکم کو دیکھ رہی ہوں، جاؤ میں تیار ہوں اور کہہ دو: میں شادی کروں گی“ اس کے بعد چار سو درہم حق مہر پر شادی ہو گئی“

یہ مفصل واقعہ جناب طارق جمیل صاحب کے بیان کردہ ”ایمان افروز اصلاحی واقعات“ کے مجموعے ”دلچسپ اصلاحی واقعات“ (ترتیب محمد ارسلان اختر) میں درج ہے۔ (ص ۲۲۰ تا ۲۲۳)

مہربانی فرما کر اس واقعے کی تحقیق کر کے ماہنامہ ”الحدیث“ میں شائع کریں، جزاکم اللہ خیراً۔ (ابو عبد اللہ محمد نواز، ساماں)
جواب: طارق جمیل صاحب کا بیان کردہ یہ واقعہ ”سوید بن سعید: ثنا محمد بن عمر الکلاعی عن الحسن وقتادہ عن انس رضی اللہ عنہ“ کی سند کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے۔

کتاب الحجر وحین لابن حبان (ج ۲ ص ۲۹۱، ۲۹۲) الکامل لابن عدی (ج ۶ ص ۲۲۱۵، ۲۲۱۶)۔

اس روایت کے راوی محمد بن عمر کے بارے میں امام حاکم النیسابوری فرماتے ہیں:

”روی عن الحسن وقتادہ حدیثاً موضوعاً، روی عنہ سوید بن سعید“

(المدخل للحاکم: ص ۲۰۵ ت ۱۸۶ لسان المیزان: ص ۳۱۹ واللفظ لہ)

یعنی یہ روایت، امام حاکم کے نزدیک موضوع (من گھڑت) ہے۔

اس روایت کے راوی محمد بن عمر الکلاعی کے بارے میں امام ابن عدی نے فرمایا:

”منکر الحدیث عن ثقات الناس“ وہ ثقہ راویوں سے منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ (الکامل: ج ۶ ص ۲۲۱۵)

حافظ ابن حبان نے کہا: ”منکر الحدیث جداً“ یہ سخت منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔ (الحجر وحین: ج ۲ ص ۲۹۱)
خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے جسے طارق جمیل صاحب نے بیان کیا ہے۔ واعلمینا الا البلاغ

سوال: طارق جمیل صاحب فرماتے ہیں کہ: ”نباتہ بن یزید نخعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یمن کے علاقے سے اللہ کے راستے میں نکلے، راستے میں گدھا مر گیا، ساتھیوں نے کہا، سامان ہمیں دے دو، کہا: نہیں، چلو میں آتا ہوں، ان کو آگے روانہ کیا، خود مصلیٰ بچھایا، اللہ اکبر، دو نفل پڑھے: اے میرے مولا، تو ہر چیز سے غنی، میں ہر چیز کا محتاج، تو مردوں کا زندہ کرنے والا، گدھے کی روح تو نے قبض کی ہے، مجھے لمبا سفر کرنا ہے، مجھے اس کی ضرورت ہے اے اللہ اسے زندہ کر دے، یہ کہہ کر اٹھے، چھڑی اٹھائی اور ایک ماری، کہا: اٹھو اللہ کے حکم سے، وہ ایک دم گدھا کود کے کھڑا ہو گیا“ (دلچسپ اصلاحی واقعات ص ۲۲۳)

کیا یہ واقعہ صحیح ثابت ہے؟ (معاذ علی زئی)

جواب: یہ واقعہ حافظ ابن حجر نے الاصابۃ میں ابوبکر بن درید کی کتاب ”الأخبار المنشورة“ سے ”ابن الکلبی عن أبيه عن مسلم بن عبد الله بن شريك النخعي“ کی سند سے نقل کیا ہے۔ (ج ۳ ص ۵۸۲، القسم الثالث: ت ۸۸۵۰) اس کا راوی محمد بن السائب الکلبی کذاب ہے۔ سلیمان التیمی نے کہا:

”کان بالكوفة كذابان أحدهما الكلبی“

کوفہ میں دو کذاب (جھوٹے راوی) تھے ان میں سے ایک کلبی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۵۷/۹)

یزید بن زریع کہتے ہیں کہ:

”أشهد أن الكلبی کافر“ میں گواہی دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۵۸/۹)

جوزجانی نے کہا: ”کذاب ساقط“ کلبی جھوٹا ساقط ہے (تہذیب: ۱۵۹/۹)

اس کا دوسرا راوی ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے۔

اس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ”متروک“ ابن عساکر نے کہا: ”رافضی لیس بثقة“ یہ رافضی ہے

ثقة نہیں ہے۔ (لسان المیزان: ۱۹۶/۶)

تنبیہ: ابن الکلبی تک سندنا معلوم ہے۔

خلاصۃ التتقیق: یہ روایت موضوع (جعلی، من گھڑت) ہے۔ وما علينا الا البلاغ

بسم الله الرحمن الرحيم

حافظ زبیر علی زئی

قسط اول

نزول مسیح علیہ السلام حق ہے

المعروف به

القول الصحيح فيما تواتر في نزول المسيح

آغاز نبوت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے ”دین اسلام“ پر اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے، معترض خواہ غیر مسلم ہو یا نام نہاد مسلم، قرآن و حدیث کے مختلف پہلوؤں پر اپنی ذہانت کے تیر چلانا موروٹی حق تصور کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہی منکرین، معترضین، متحصنین اور عداۃ اسلام کا تذکرہ ”اندھیرے اور مشعل راہ“ میں کر چکا ہوں ”نزول عیسیٰ علیہ السلام حق ہے“ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

جس میں قرآن، صحیح احادیث، اجماع اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں عیسیٰ بن مریم الناصری علیہا السلام کے آسمان سے نازل ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا ہے، اور منکرین کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیئے گئے ہیں، اس کتاب کی تصنیف کے بعد جناب انور شاہ کشمیری کی کتاب ”التصریح بما تواتر فی نزول المسيح“ کا علم ہوا، کتاب حاصل کر کے پڑھی، بہترین کوشش ہے، تاہم کمزور اعمال وغیرہ سے بلا تحقیق حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ لہذا اس میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع روایات بھی موجود ہیں۔

اہل کتاب (یہود) نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا، پیغمبروں پر ستم ڈھائے، انہیں قتل کیا، بچھڑے کو پوجا بے شمار اعمال کفریہ کے مرتکب ہوئے (اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں ملعون اور مغضوب علیہم ٹھہرے) ان کی یہ حالت بیان کر کے خالق کائنات فرماتا ہے:

وَيَكْفُرْهُمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝

اس لئے کہ انہوں نے حق کا انکار کیا اور مریم (علیہا السلام) پر بہت بڑا بہتان لگا دیا نیز یہ کہنے کی وجہ سے کہ ”تم نے اللہ

کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر ڈالا ہے، حالانکہ انہوں نے اسے قتل نہ کیا اور نہ صلیب پر (ہی) چڑھایا بلکہ یہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ ہو گیا اور بلاشبہ جن لوگوں نے اس معاملہ میں اختلاف کیا، وہ خود بھی شک میں مبتلا ہیں۔ انہیں حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ محض ظن کے پیچھے ہیں اور یقیناً وہ انہیں قتل نہیں کر سکتے تھے، بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھایا تھا اور اللہ زور آور اور حکمت والا ہے، اور تمام اہل کتاب (ابن مریم) کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لائیں گے، اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔ (سورہ النساء: ۱۵۹ تا ۱۵۷)

قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ:

۱: یہود نے عیسیٰ بن مریم ناصری علیہا السلام کو قتل نہیں کیا۔ ۲: اور نہ انہیں سولی دی۔ ۳: بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھالیا۔ ۴: اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پہلے (اس زمانے میں موجود) تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے (یعنی وہ ابھی تک زندہ ہیں اور ان پر موت نہیں آئی ہے) یہ بات بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے، اور اپنے علم و قدرت سے ہر چیز کو محیط ہے، یہ عقیدہ متعدد قرآنی آیات، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ تفصیل کے لئے امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ کی کتاب ”التوحید“ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب ”العلو للعلی الغفار“ امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کی ”اثبات صفة العلو“ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے جدا (بائن) ہے، کسی چیز میں بھی اس نے حلول نہیں کیا ہے، لہذا اسے اسی ذات کے ساتھ ہر جگہ ماننا بے دینی ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قدیر، علیم اور محیط ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا اپنے پاس لے جانے کا مطلب آسمانوں پر لے جانا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ وَقَالُوا آلِهَتُنَا خَيْرٌ ۚ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ ۚ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ۚ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ ۝ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلْسَاعَةِ فَلَا تَمْتَرْنَ بِهَا ۚ وَاتَّبِعُونِ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

اور جب (عیسیٰ) ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم نے اس سے غل مچا دیا۔ اور کہنے لگے: کیا ہمارے الہ اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰ)؟ جو آپ کے سامنے یہ مثال سراسر کج بحثی کی خاطر لائے ہیں، بلکہ یہ ہیں ہی جھگڑالو قوم۔ وہ (عیسیٰ) محض ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنو اسرائیل کے لئے نمونہ بنادیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین میں تمہارے جانشین ہوتے۔ اور وہ (نزل عیسیٰ) تو قیامت کی ایک علامت ہے

لہذا اس میں ہرگز شک نہ کرو، اور میری اتباع کرو یہی صراطِ مستقیم ہے۔ (سورہ الزخرف: ۵۷ تا ۶۱)

قرآن مجید کی ان آیات سے معلوم ہوا، کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قیامت کی نشانی یا علم ہیں، لہذا اس میں بالکل شک نہیں کرنا چاہئے۔ مفسر قرآن حبر الائمہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت مبارکہ ”وَأَنَّهُ لَعَلَّمُ لِّلسَّاعَةِ“ کے بارے میں فرمایا: ”نزول عیسیٰ بن مریم من قبل يوم القيامة“ یعنی: قیامت کے دن سے پہلے عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) کا نزول۔ (۱)

(صحیح ابن حبان: ۶۸۷۸، موارد الظمآن: ۱۷۵۸)

یہ حدیث تقریباً اسی مفہوم کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، دیکھئے مسند احمد (۳۱۸/۱ ج ۲۹۲۰) تفسیر ابن جریر (۵۴/۲۵) مستدرک الحاکم (۴۴۸/۲) مسند مسدد (المطالب العالیہ: ۳۷۳۰) المعجم الکبیر للطبرانی (۱۵۴/۱۲ ج ۱۷۷۴) الفریابی، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۰) اسے حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا، لیکن اس کی سند میں نظر ہے اور مرفوع زیادہ صحیح ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات اور متواتر احادیث کی روشنی میں مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہا السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں آپ آسمان سے زمین پر اتر کر دجال کو قتل کریں گے۔

تفسیر ”المحرر المحیط“ میں ہے:

”وأجمعت الأمة على ما تضمنه الحديث المتواتر من أن عيسى في السماء وأنه ينزل في آخر الزمان“

”حدیث متواتر کے اس مضمون پر امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں اور وہ آخری زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔“ (ج ۲ ص ۴۹۷)

ابو الحسن اشعری (متوفی ۳۲۹ھ) نے کہا:

”وأجمعت الأمة على أن الله عز وجل رفع عيسى إلى السماء“

(۱) اس کی سند میں ایک راوی ”ابو یحییٰ مصدع“ ہے ابن شاپین نے کہا: ثقہ (کتاب الثقات: ۱۴۰۷) ذہبی نے کہا: صدوق (الاکشاف: ۵۵۵۶) اور صحیح مسلم کا راوی ہے (تقریب: ۶۶۸۳) عمار الدقنی نے اس کی تعریف کی (تہذیب: ۱۳۳۱۰) ابن حبان نے تصحیح کے ذریعے اس کی توثیق کی، ابن عدی نے اس پر سکوت کیا۔ (الکامل: ج ۶/۲۴۵۹) اس پر الجوز جانی (احوال الرجال: ۲۴۹)، ابن حبان (المجروحین: ۳۹/۳) اور ابن الجوزی نے جرح کی (العلل المتناہیہ: ۵۴/۲) العقيلي نے ضعفاء میں ذکر کیا (۲۶۶/۳) حافظ ابن حجر نے موافقہ الخضر الخضر (۱۷۴۲) مصدع مذکور اور ابوزین کے بارے میں لکھتے ہیں: ”وہما ثقتان تابعیان“ اس راوی کے بارے میں امام ذہبی کا قول ہی راجح ہے لہذا اس کی حدیث حسن سے کم نہیں ہے، موقوف روایت اس کا ایک شاہد ہے۔

عاصم بن بہدلہ صحاح ستہ کا راوی اور جمہور اہل الحدیث کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔ حافظ ذہبی نے کہا: ”إمام صدوق“ (دیوان الضعفاء: ۲۰۴۲) امام ابن حبان نے کہا: ”ثقة متقن“ (صحیح ابن حبان: ۲۱۱۶) لہذا عاصم کی روایت بھی حسن درجے سے کم نہیں ہے۔

”اور امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے، کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا ہے۔“
(الابانۃ عن اصول الدیانۃ ص ۳۴)
نیز دیکھئے نظم المبتاثر من الحدیث المتواتر (ص ۲۴۱) وغیرہ اور ظاہر ہے کہ امت خطا پر کٹھی نہیں ہو سکتی۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

” لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ أبداً وید اللہ علی الجماعۃ “

اللہ میری امت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

(المستدرک: ۱/۱۶۱ عن ابن عباس و اسنادہ صحیح)

محمد رسول اللہ ﷺ سے نزول مسیح کی احادیث بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہیں، مثلاً ابو ہریرہ الدوسی الیمانی، جابر بن عبد اللہ الانصاری، النواس بن سمعان، اوس بن اوس، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ابوسریحہ حدیفہ بن اسید الغفاری، ام المؤمنین عائشہ، عبد اللہ بن مسعود، مجمع بن جاریہ، عبد اللہ بن مغفل وغیرہم، رضی اللہ عنہم اجمعین۔
ابوالفیض الادریسی الکتانی نے کہا:

” والحاصل أن الأحادیث الواردة في المهدی المنتظر متواترة وكذا الواردة الدجال

وفي نزول سيدنا عيسى بن مريم عليهما السلام “

اور حاصل یہ ہے کہ مہدی منتظر کے بارے میں احادیث متواتر ہیں، اسی طرح دجال اور سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول کے بارے میں بھی [احادیث متواتر ہیں] (نظم المبتاثر ص ۲۴۱)
نزول مسیح کی احادیث کے متواتر ہونے کی تصریح درج ذیل علماء نے بھی کی ہے۔

الامام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری السنی فی جامع البیان فی تفسیر القرآن (۲۰۴/۳) ابن کثیر الدمشقی فی تفسیر القرآن العظیم (۵۸۲، ۵۷۷، ۵۷۸) وغیرہما

اب نزول مسیح کی کچھ صحیح و حسن احادیث لکھی جاتی ہیں، تاکہ جو زندہ رہے دلیل دیکھ کر جئے اور جو مرے دلیل دیکھ کر مرے، منکرین حدیث اور منکرین اجماع کے شبہات کے مدلل جوابات بھی دیئے گئے ہیں، تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے۔ وباللہ التوفیق

(۱) ابو ہریرہ الدوسی الیمانی رضی اللہ عنہ: آپ مشہور صحابی، ثقہ، حافظ، امام اور محبوب المؤمنین ہیں۔

آپ نے نبی ﷺ سے کہا: آپ دعا فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری والدہ کو اپنے مومن بندوں کا محبوب بنا دے تو آپ ﷺ نے دعا فرمادی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو مومن بھی مجھے دیکھتا ہے یا میرا ذکر سنتا ہے دعائے نبی ﷺ کی برکت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرنے لگتا ہے (صحیح مسلم مع النووی: ۵۲/۱۶ ج ۲۴۹۱) آپ سے اٹھارہ سو یا

زیادہ اشخاص نے حدیثیں بیان کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۲۹۰/۱۲)

حافظ ذہبی نے کہا:

”الإمام الفقيه المجتهد الحافظ صاحب رسول الله ﷺ سيد الحفاظ الأثبات“

(سیر اعلام النبلاء: ۵۷۸/۳)

ام المؤمنین عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ (التاریخ الصغیر للبخاری: ۱۲۸/۱۲۹) آپ سے نزول المسح کی احادیث درج ذیل علماء نے بیان کی ہیں۔

- | | | |
|------------------------------------|----------------------------------|----------------------|
| ۱: سعید بن المسیب | ۲: نافع مولیٰ ابی قتادہ الانصاری | ۳: سعید المقبری |
| ۴: عطاء بن یناء مولیٰ ابن ابی ذباب | ۵: حنظلہ بن علی الاسلمی | ۶: عبدالرحمن بن آدم |
| ۷: عبدالرحمن بن ابی عمرہ | ۸: ولید بن ربیع | ۹: محمد بن سیرین |
| ۱۰: زیاد بن سعد | ۱۱: کلیب | ۱۲: رجل من بنی حنیفہ |
| ۱۳: ابوصالح ذکوان | ۱۴: یزید بن الاصم | |

۱: سعید بن المسیب: ابو محمد القرشی المدنی، آپ مدینہ کے زبردست عالم اور فقیہ تھے، آپ کی مرویات صحاح ستہ اور تمام دووین اسلام میں موجود ہیں، آپ کی عدالت اور جلالت پر اجماع ہے، حافظ ذہبی نے کہا: ”أحد الأعلام و سيد التابعين ثقة حجة فقيه رفيع الذكر، رأس في العلم والعمل“ (الکاشف: ۱۹۷۹) آپ سے یہ حدیث امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری القرشی نے سنی، امام زہری سے لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، صالح (بن کیمان)، ابن ابی ذئب، معمر، یونس، ابن جریج، اوزاعی، المباشونی وغیرہم یہ حدیث متقارب الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

امام زہری کا تعارف: ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ الحارث بن زہرہ بن کلاب القرشی الزہری ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ اہل سنت کے مشہور امام ہیں، حافظ ابو نعیم اصبہانی نے ”حلیۃ الاولیاء“ میں ان کا طویل تذکرہ لکھا ہے (ج ۳ ص ۳۶۰ تا ۳۸۱) آپ کی احادیث صحاح ستہ، مؤطا امام مالک جامع المسانید للبخاری، المنسوب الی الامام ابو حنیفہ، الام للشافعی، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المستدرک علی الصمیمین وغیرہ تمام کتب حدیث اور دووین اسلام میں موجود ہیں۔

آپ کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے، حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا:

”الفقيه الحافظ متفق على جلاله وإتقانه وثبته“

یعنی آپ فقیہ حافظ ہیں اور آپ کی جلالت اتقان (ثقہ کا اعلیٰ درجہ) اور ثبات پر اتفاق ہے، انتہی (تقریب التہذیب: ۲۲۹۶)

(نیز دیکھئے تدریب الراوی: ۸۶/۱) آپ سے ابوحنیفہ، مالک، عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی، سفیان اور ایک سو سے زیادہ اشخاص حدیث بیان کرتے ہیں، تمام علماء آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

عمر بن دینار نے کہا: ”میں نے زہری سے زیادہ حدیث کی بصیرت والا کوئی نہیں دیکھا“۔ (حلیہ: ۳۶۰/۳) ”میں نے زہری سے زیادہ دراہم (مال و دولت) کو گھٹیا اور بے وقعت سمجھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا، مال و دولت ان کے نزدیک بکری کی بیگنی کے برابر تھا“ (سیر اعلام النبلاء: ۳۳۴/۵) ایوب سختیانی نے کہا: ”میں نے زہری سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا“۔ (حلیہ: ۳۶۰/۳) اسی طرح امام کھول، عمر بن عبدالعزیز اور سفیان نے آپ کی بہت تعریف کی ہے۔ (حلیہ: ۳۶۰/۳)

امام العجلی نے کہا: ”(مدنی) تابعی ثقہ“ (تاریخ الثقات: ۱۵۰۰) ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا: ”وکان فقیہاً فاضلاً“ (۳۴۹/۵) ابن شاپین نے اسے تاریخ اسماء الثقات میں ذکر کیا ہے بلکہ متعدد ائمہ نے زہری کی احادیث کو اصح الاسانید میں شمار کیا ہے۔ (دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۲ تقریب النووی مع تدریب الراوی: ۷۸، ۷۹/۱) لہذا یہ ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک امام زہری اعلیٰ درجہ کے ثقہ و متقن ہیں اور ان کی حدیث صحیح حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔

تشیع کا الزام اور اس کا جواب: ابوالخیر اسدی اپنی کتاب ”اسلام میں نزول مسیح کا تصور“ میں لکھتا ہے: ”شیعہ کے ائمہ رجال کا اعتراف کہ ابن شہاب زہری، امام جعفر صادق کے اصحاب میں شمار ہوتا تھا، چنانچہ مامقانی شیعہ رجال کے مشہور امام اپنی کتاب تنقیح المقال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں:

”قال المامقانی محمد بن مسلم الزهري المدني عده الشيخ في رجاله من أصحاب الصادق“
”مامقانی لکھتے ہیں کہ محمد بن مسلم الزہری کو شیخ الطائفہ نے اپنے رجال میں امام جعفر صادق کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔“
(ص ۴۱، ۴۲) (تنقیح المقال فی اسماء الرجال ۱۸۶/۳)

جواب: میں نے مذکورہ طور میں یہ ثابت کر دیا ہے، کہ امام زہری اہل سنت کے زبردست ثقہ بالا جماع امام اور سنی ولی ہیں، اہل سنت کی تمام کتب حدیث میں ان کی احادیث موجود ہیں، سنی علماء نے ان کی تعریف و توثیق کی ہے۔ اور ان کی احادیث کو صحیح بلکہ اصح الاسانید قرار دیا، اور کسی ایک سنی محدث نے بھی ان پر تشیع کا الزام نہیں لگایا، لہذا یہ الزام مردود ہے۔ دوسرے یہ کہ روافض کا کسی شخص کو اپنے نمبر بڑھانے کے لئے اپنی کتابوں میں ذکر کرنا اس کی ہرگز دلیل نہیں کہ وہ شخص فی الحقیقت رافضی یا شیعہ تھا۔

وکل يدعی وصلاً لیلی ولیلی لا تقرلہم بذاکا
ہر شخص لیلی کے وصل کا دعویٰ دار ہے اور لیلی کسی ایک کے ساتھ بھی اس وصل کا اقرار نہیں کرتی۔

درج ذیل اشخاص کو روافضی اپنی اسماء الرجال کی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں، کیا یہ بھی شیعہ یا رافضی تھے؟

- ۱: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (الاصول من الکافی: ۴۵۲/۱)
- ۲: الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (رجال الطوسی ص ۱۵، الاصول من الکافی: ۴۶۳/۱)
- ۳: الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (رجال الطوسی ص ۱۵، الاصول من الکافی: ۴۶۳/۱)
- ۴: جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (تنقیح المقال للماتقانی: ۱۹۹/۱، رجال الطوسی: ص ۱۲)
- ۵: سعید بن جبیر رحمہ اللہ (تنقیح المقال: ۲۵/۲، رجال الجلی ص ۲۹)
- ۶: ابو حنیفہ النعمان بن ثابت رحمہ اللہ (تنقیح المقال: ۲۷۲/۳، رجال الطوسی: ص ۳۲۵)
- ۷: یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف القاضی (تنقیح المقال: ۳/۳۲۹)
- ۸: محمد بن ادريس الشافعی (تنقیح المقال: ۶/۲، رقم: ۱۰۳۶۰)
- ۹: مالک بن انس (تنقیح المقال: ۴۸/۲، رقم: ۱۰۰۲۲)
- ۱۰: ابراہیم بن یزید الخلی وغیرہم (تنقیح المقال: ۴۳/۱، رجال الطوسی: ص ۳۵)

میں پوچھتا ہوں کہ کسی مسلمان میں یہ ہمت ہے کہ ان صحابہ، تابعین و من بعدہم کو شیعہ یا رافضی قرار دے کر ان کی مرویات کو مردود کہہ دے؟ لہذا ثابت ہوا کہ رافضیوں کا کسی سنی کو اپنے رجال میں شمار کرنا اسے رافضی نہیں بنادیتا۔ یہ بات یاد رہے کہ موجودہ دور میں متعدد ناصبی مثلاً فیض عالم صدیقی وغیرہ جب کسی ثقہ راوی کی صحیح حدیث اپنی خواہشات نفسانیہ کے خلاف پاتے ہیں تو جھٹ اسے شیعہ کہہ کر اس کی حدیث سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں لہذا ایسے لوگوں سے اہل سنت والجماعت کو ہوشیار رہنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ محدثین کی اکثریت کا یہ مسلک ہے کہ اگر بدعتی راوی ثقہ یا صدوق ہے تو اس کی روایت قابل حجت ہوتی ہے۔

مشہور غیر اہل الحدیث جناب سرفراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

”اور اصول حدیث کے رو سے ثقہ راوی کا خارجی یا جہمی معتزلی یا مرجئی وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا اور صحیحین میں ایسے راوی بکثرت موجود ہیں.....“ (احسن الکلام: ۳۰/۱)

لہذا منکر بن حدیث کے ثقہ راویوں پر اندھا دھند حملے خالی کار تو سوں کی طرح رائیگاں جائیں گے۔ ان شاء اللہ

تنبیہ: ماتقانی نے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے نقل کیا ہے کہ:

”کان الزهري من المنحرفين عنه يعني علياً“

یعنی: زہری امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھے۔ (تنقیح المقال: ۱۸۷/۳)

(معاذ اللہ) اور اسی طرح ماتقانی رافضی نے اپنے بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ زہری (اہل بیت کے) دشمن تھے (ایضاً)

ابوجعفر الطوسی الرافضی نے کہا:

”محمد بن شہاب الزہری عدو.....“ (رجال طوسی: ص ۱۰۱)

”من لا يحضره الفقيه“ کے محشی نے شرح مشیخہ الفقیہ کے حاشیہ میں امام زہری کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کا مخرف لکھا ہے۔ (۸۲/۴)

اب آپ فیصلہ کریں کہ رافضیوں کے کہنے پر امام زہری کو ناصبی قرار دیا جاسکتا ہے، مشہور زاہد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے سچ کہا ہے کہ:

”وعلامة الرافضية تسميتهم أهل الأثر ناصبية وكل ذلك عصبية وغيظ لأهل السنة

ولا اسم لهم إلا اسم واحد وهو أصحاب الحديث“

اور رافضیوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل اثر کو ناصبی کہتے ہیں، یہ سب تعصب ہے اور ان کا اہل سنت کے ساتھ غصہ ہے اور ان کا صرف ایک ہی نام ہے اور وہ ہے اصحاب الحديث (الغنية للطالبي طريق الحق: ۸۰/۱) اور میں کہتا ہوں کہ اسی طرح فرقہ ناصبیہ کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل سنت کو رافضی یا شیعہ کہتے ہیں۔

تدلیس کی بحث: متعدد علماء نے امام زہری کو مدلس قرار دیا ہے، حافظ ذہبی نے کہا:

”الحافظ الحجة، كان يدلس في النادر“ (ميزان الاعتدال: ۴۰/۴)

آپ حافظ حجت تھے، کبھی کبھار تدلیس کرتے تھے، مشہور محدث امام صلاح الدین العلائی (متوفی ۶۱۱ھ) فرماتے ہیں:

”والصحيح الذي عليه جمهور أئمة الحديث والفقه والأصول الإحتجاج بما رواه

المدلس الثقة مما صرح فيه بالسماع دون ما رواه بلفظ محتمل لأن جماعة من الأئمة

الكبار دلسوا وقد اتفق الناس على الإحتجاج بهم ولم يقدح التدليس فيهم كفتادة

والأعمش والسفيانين الثوري وابن عيينة وهشيم بن بشير وخلق كثير وأيضاً فان

التدليس ليس كذباً صريحاً بل هو ضرب من الإيهام بلفظ محتمل.....“

اور صحیح وہ ہے جس پر محدثین، فقہاء اور اصولیین ہیں، کہ ثقہ مدلس جو روایت سماع کی تصریح کے ساتھ بیان کرے اس سے حجت پکڑی جائے اور جو لفظ محتمل (عن وغیرہ) کے ساتھ بیان کرے، اس سے حجت نہیں پکڑی جائے، کیونکہ ائمہ کبار کی ایک جماعت نے تدلیس کی ہے اور لوگ ان کے ساتھ حجت پکڑنے پر متفق ہیں، اور تدلیس نے انہیں نقصان نہیں پہنچایا مثلاً قتادہ، اعمش، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، ہشیم بن بشیر اور بے شمار لوگ، اور یہ بات بھی ہے کہ تدلیس صریح جھوٹ نہیں ہے، بلکہ وہ لفظ محتمل (عن وغیرہ) کے ساتھ ایہام کی ایک قسم ہے۔

(جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۹۸، ۹۹)

امام محمد بن ادریس الشافعی المصطفیٰ فرماتے ہیں:

”ومن عرفناه دلس مرة فقد أبان لنا عورته في روايته وليست تلك العورة بكذب فترد بها حديثه ولا النصيحة في الصدق فنقبل منه ما قبلنا من أهل النصيحة في الصدق فقلنا لا نقبل من مدلس حديثاً حتى يقول فيه حدثني أو سمعت“

اور جسے ہم جان گئے کہ اس نے ایک مرتبہ ہی تدلیس کی ہے تو ہم پر اس کا نقص اس کی روایت میں ظاہر ہو گیا، اور یہ نقص جھوٹ نہیں ہے، کہ ہم اس کی وجہ سے اس کی حدیث کو (مطلقاً) رد کر دیں اور (یہ نقص) نہ سچائی میں خیر خواہی ہے، تاکہ ہم اس کی روایت بھی (مطلقاً) قبول کر لیں، جس طرح ہم سچائی میں خیر خواہوں (غیر مدلسین) کی روایات قبول کرتے ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ حدیث یا میں نے سنا ہے (یعنی سماع کی تصریح کرے) (الرسالۃ: ص ۳۷۹)

لہذا امام زہری نے جن روایات میں سماع کی تصریح کی ہے، ان کے صحیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ بعض لوگ امام شعبہ اور چند علماء سے تدلیس کی سخت مذمت اور تکذیب نقل کرتے ہیں، حالانکہ یہ اقوال مرجوحہ ہیں، امام ابو عمرو بن الصلاح فرماتے ہیں: ”وهذا من شعبة إفراط محمول على المبالغة في الزجر عنه والتنفير“ اور یہ قول امام شعبہ سے افراط پر مبنی ہے اور یہ تدلیس سے دھمکانے اور نفرت دلانے کے مبالغہ پر محمول ہے۔

(علوم الحديث المعروف بمقدّم ابن الصلاح ص ۹۸)

امام ابن الصلاح کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے، کہ امام شعبہ نے خود کئی مدلسین مثلاً قتادہ، ابواسحاق السبئی اور عیسیٰ سے روایت بیان کی ہے، بلکہ امام شعبہ سے مروی ہے کہ:

”كفيتكم تدليس ثلاثة الأعمش وأبي إسحاق وقتادة“

یعنی میں آپ کے لئے تین اشخاص، اعمش، ابواسحاق اور قتادہ کی تدلیس سے بچنے کے لئے کافی ہوں۔

(آخر طبقات المدلسین تحقیقی: ص ۷۷)

لہذا علماء کے نزدیک ان راویوں سے شعبہ کی روایت اگر معنعن بھی ہو تو سماع پر محمول ہوتی ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ج ۴ ص ۳۸، ۱۹۴، ج ۱۰ ص ۱۶۶، ج ۱۱ ص ۱۴۶، ۱۹۷، ۲۱۱، ۲۲۱، ۲۶۲، ۵۴۶، ج ۱۲ ص ۲۱۷ بحوالہ توجیہ القاری ص ۲۶۲) لہذا زہری کی تصریح بالسماع سے روایت صحیح ہوتی ہے۔

ارسال کی بحث: بعض مبتدعین، امام یحییٰ بن سعید القطان کا قول کہ: زہری کی مرسل روایتیں ”بمنزلة ربيع“ ہیں نقل کر کے امام زہری کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی راوی کا مرسل احادیث بیان کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اور نہ یہ اس کی عدالت پر جرح ہے، متعدد ائمہ نے مرسل روایات بیان کی ہیں، مثلاً ابراہیم نخعی

ابوب السخیانی، ثابت البنانی، جعفر الصادق، حسن البصری، ربیعہ الرائی، رجاء بن حیوۃ، سالم بن عبد اللہ بن عمر، سعید بن جبیر، سعید بن المسیب، سفیان ثوری، اعش، قاضی شریح، شعبہ، طاووس، الشعمی، عروہ، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ اور قتادہ وغیرہم، دیکھئے (کتاب المراسیل لابی داؤد وغیرہ)

کیا یہ ائمہ مرسل روایت بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف و مجروح بن گئے ہیں؟ یہ بات حق ہے کہ مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے، لیکن یہ بات باطل ہے کہ ہر مرسل (ارسال کرنے والا) ضعیف ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ امام زہری کا ارسال سخت خطرناک ارسال تھا تو عرض ہے کہ اس کی وجہ بھی محدثین نے بتادی ہے، امام تاجی بن سعید القطان نے کہا: ”ہولاء قوم حفاظ كانوا اذا سمعوا الشيء علقوه“
یہ لوگ (قتادہ وزہری) حفاظ حدیث میں سے تھے، یہ جب کوئی چیز سنتے تو اسے یاد کر لیتے تھے (المراسیل لابن ابی حاتم: ص ۳) مزید فرمایا:

”مرسل الزہری شر من مرسل غیرہ لأنه حافظ، وکل ما قدر أن یسمی سمي، وإنما یترک من لا یحب أن یسمیہ“

زہری کی مرسل دوسروں کی مرسل سے زیادہ بری ہوتی ہے، کیونکہ وہ حافظ ہیں، اور وہ (زہری) جس کا وہ نام لینا چاہتے ہیں لے لیتے ہیں اور صرف اسی شخص کا نام ترک کرتے ہیں جس کا نام لینا پسند نہیں کرتے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۵/۳۳۸) معلوم ہوا کہ زہری کی مراسیل غیر ثقافت سے ہونے کی وجہ سے زیادہ ضعیف ہیں، امام تاجی بن سعید القطان نے قتادہ کی مراسیل کو بھی ”بمنزلة الريح“ قرار دیا۔ (المراسیل لابن ابی حاتم: ص ۳) اور سعید بن المسیب کی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقطع روایت کو ”ذاك شبه الريح“ کہا یعنی: وہ ہوا کی طرح کمزور ہے۔ (ایضاً ص ۴)

اور کہا: ”مرسلات ابن أبي خالد - يعني إسماعيل - ليس بشيء“

یعنی اسماعیل بن ابی خالد کی مرسل روایات کچھ بھی نہیں ہیں۔ (جامع التحصیل: ص ۳۸)

امام محمد بن سیرین سے بھی ابوالعالیہ اور حسن البصری کی مراسیل پر سخت تنقید مروی ہے، اور کہا: چار اشخاص (الحسن، ابو العالیہ، حمید بن ہلال اور داؤد بن ابی ہند) ہر ایک کو سچا سمجھتے تھے اور اس بات کی پرواہ نہیں رکھتے تھے، کہ کس سے سن رہے ہیں۔ (سنن دارقطنی: ۱/۱۷۱، ۲/۱۷۲) کیا ان علماء کو بھی ضعیف و غیر ثقہ قرار دیا جائے گا، بلکہ حق یہ ہے کہ جو شخص ثقہ ہے، اس کی متصل روایات کو قبول اور مرسل روایات کو مردود سمجھنا چاہئے۔ (جاری ہے)

حافظ شیر محمد

تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین سے محبت

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

اور مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور وہ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع کی، ان سب سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان (جنتوں) میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ التوبہ: ۱۰۰)

یہاں اتباع کرنے والوں سے مراد صحابہ کے تابعین ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین عظام سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان عظیم لوگوں کو (جنت کی صورت میں) عظیم کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔

رحمت للعالمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام کی عظمت، تابعین عظام کی رفعت اور تبع تابعین کی شان و شوکت کو اپنی زبان مبارک سے اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم“

لوگوں میں سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو ان (صحابہ) کے نزدیک ہیں۔ (یعنی تابعین) پھر وہ جو ان (تابعین) کے نزدیک ہیں (یعنی تبع تابعین) (صحیح البخاری: ج ۲، ۲۶۵۲، صحیح مسلم: ج ۳، ۲۵۳۳)

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”یأتی علی الناس زمان ، یغزو فنام من الناس ، فیقال لہم ، فیکم من رأى رسول الله ﷺ ؟ فیقولون : نعم ، فیفتح لہم ،

ثم یغزو فنام من الناس ، فیقال لہم : فیکم من رأى من صحب النبی ﷺ ؟ فیقولون : نعم ، فیفتح لہم ،

ثم یغزو فنام من الناس ، فیقال لہم : هل فیکم من رأى من صحب من صحب رسول الله ﷺ ؟ فیقولون : نعم ، فیفتح لہم “

ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگ فوجیں بنا کر جہاد کریں گے، تو انہیں پوچھا جائے گا: کیا تم میں کوئی ایسا آدمی (یعنی صحابی) موجود ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے؟
تو وہ کہیں گے: جی ہاں، تو انہیں (اللہ کی طرف سے) فتح حاصل ہوگی۔ پھر کچھ لوگ فوجیں بنا کر جہاد کریں گے تو انہیں پوچھا جائے گا: کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص (یعنی تابعی موجود) ہے جس نے صحابہ کو دیکھا ہے؟ تو وہ کہیں گے: جی ہاں، تو انہیں فتح نصیب ہوگی۔

پھر کچھ لوگ فوجیں ترتیب دے کر جہاد کریں گے تو انہیں کہا جائے گا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص (تابعی) موجود ہے جس نے تابعین کو دیکھا ہے؟ تو وہ کہیں گے: جی ہاں، تو انہیں فتح حاصل ہوگی۔

(صحیح البخاری: ج ۲۸۹۷، صحیح مسلم: ج ۲۵۳۲)

اس حدیث پاک سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱: صحابہ کے بعد تابعین کی جماعت، انتہائی مقدس جماعت ہے۔

۲: نبی ﷺ کی یہ پیشین گوئی من و عن پوری ہوئی اور صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے دور میں اسلام غالب رہا، واللہ اعلم
ہم پر واجب ہے کہ ہم تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ دین اور تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں سے محبت کریں، اللہ تعالیٰ اس محبت کی وجہ سے سارے گناہ معاف کر کے ان مقدس جماعتوں کے ساتھ شامل کر دے گا، ان شاء اللہ

واضح رہے محبت کا تقاضا ہے: فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُ بِهِ
یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی حتی الوسع کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ میں صحابہ کرام کے بعد، تابعین عظام جیسے عظیم لوگ پیدا فرمائے جو اسلام کے آسمان پر اپنی بیان کردہ احادیث کی وجہ سے، سورج، چاند اور ستاروں کی صورت میں مسلسل جگمگا رہے ہیں۔ کہیں سعید بن المسیب، حسن بصری، عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر ہیں تو کہیں زین العابدین، محمد بن سیرین، شعبی، سالم بن عبد اللہ، مجاہد اور عطاء بن ابی رباح کتاب و سنت کی روشنیاں پھیلا رہے ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کے لئے حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ، سیر اعلام النبلاء اور حافظ مزی کی تہذیب الکمال کا مطالعہ کریں، اس عظیم الشان جماعت کے فضائل پڑھنے اور سننے کے بعد دل و دماغ دنگ رہ جاتے ہیں۔

اے اللہ، ہمارے دلوں کو اپنی اور اپنے پیارے نبی کریم ﷺ، نبی ﷺ کے پیارے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام اور تمام محدثین کی محبت سے بھر دے، اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ”المرء مع أحب“

آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ (بخاری: ۶۱۷۰)

کا مصداق بنادے۔ آمین ثم آمین